اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ

صوبہ بہار کے ادبی کارناموں کی تاریخی سرگذشت

المعروف بہ

تاریخ شعرائے بہار

۱۹۳۱ء

جلد اول

۱۳۵۰ھ

(سنہ ۱۵۰ھ سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک)

جس میں

"اردو زبان اور اردو شاعری کی تاریخ" بیان کرنے کے بعد عظیم آباد و صوبہ بہار کے تینوں شعرائے متقدمین و متوسطین کا تذکرہ اور ان کے ادبی کارناموں کی فہرست مع نمونہ کلام تین علحدہ دوروں میں بالتفصیل مذکور ہے۔

مؤلفہ

سید عزیز الدین احمد بلخی المتخلص بہ راز عظیم آبادی مصنف کتاب "انسان کی پرواز" وغیرہ بلخی محلہ پٹنہ سیٹی

باہتمام مولوی عطاء الرحمٰن صاحب مینیجر

دی قومی پریس لمیٹڈ بانکی پور پٹنہ میں چھپا

طبع اول ۵۰۰ قیمت عہ

فہرست مضامین تاریخ شعرائے بہار

جلد اول

تاریخ شعرائے بہار پہلا دور

متقدمین شعرائے عظیم آباد

سنہ ۱۱۵۰ھ (اور اس کے بیشتر) سنہ ۱۲۰۰ھ تک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اُردو زبان کا ادبی کارنامہ دنیا کی اکثر متمدن اور علمی زبانوں کی طرح نثر کے بجائے نظم ہی سے شروع ہوا۔ اور اس لئے یہ کچھ بھی تعجب خیز امر نہ تھا کہ اُردو نویسی کی نشو و نما اور ترقی کے ساتھ ساتھ۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں شعرا کا تذکرہ ہی اہل قلم کی مقام اور مرغوب ترین جولان گاہ بن گیا۔ یوں تو شعرا کے تذکرے فارسی میں پہلے بہتیرے لکھے گئے۔ لیکن ہندوستان کی ادبی تاریخ میں عظیم آباد کو یہ بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے یہیں کے ایک باشندہ میر غلام حسین شورش نے تقریباً[1] ۱۱۶۵ھ میں شعرائے ریختہ کا تذکرہ ریختہ ہی میں قلم بند کیا (دیکھو تذکرہ ہذا تذکرہ شورش)

شورش کے اس تذکرہ کے بعد پھر دوسرا تذکرہ شعرائے ہند کا جو اُردو زبان میں لکھا گیا وہ تذکرہ "گلشن ہند" ہے جسکو مرزا علی لطف نے

لہ واضح ہو کہ تاریخ نثر اُردو۔ حصہ اول مطبوعہ ۱۳۴۸ھ کے صفحہ ۸۸ میں ایک صفحہ

۱۱۹۵ھ میں تذکرہ گلزار ابراہیم[1]" کی مدد سے بیشتر صوبہ بہار ہی کی آب و ہوا میں مرتب کیا (دیکھو تذکرہ ہذا۔ تذکرہ لطف) اور اس کے بعد سے تو اُردو کی عام گرم بازاری ہو جانے کے باعث فارسی نویسی کا رواج ہی ہندوستان سے بتدریج مٹتا گیا اور دیگر علوم و فنون کی کتابوں کے ساتھ تذکروں کی بھی اُردو زبان میں چنداں کمی نہ رہی۔

لیکن اس مقام پر اس امر کا بیان کر دینا بھی غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ سوانح نگاری کے اعتبار سے یہ تمام تذکرے۔ خواہ وہ فارسی میں لکھے گئے ہوں یا اُردو میں۔ محض نامکمل اور ناتمام حالات کا مجموعہ ہیں۔ عام طور پر تو ہر ایک تذکرہ میں حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) مولانا احسن صاحب مارہروی نے تذکرہ گلشن ہند کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اُردو شعرا کا یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں شعرا کے حالات اُردو زبان میں لکھے گئے ہیں" الخ حالانکہ دیگر شہادتوں سے قطع نظر۔ خود اسی "تذکرہ گلشن ہند" میں بہ حوالہ "گلزار ابراہیم" مذکور ہے کہ۔ "شورش عظیم آبادی نے ایک تذکرہ شعرائے ریختہ کا ریختہ میں لکھا ہے" پھر باوجود اس کے "گلشن ہند" کو اُردو زبان کا پہلا تذکرہ قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے ماسوا۔ تذکرہ گارسن دی تاسی" اور دیگر قدیم تذکروں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ اور تذکرہ آبحیات تذکرہ میر میں بھی اس کا حوالہ پایا جاتا ہے۔

[1] تذکرہ "گلزار ابراہیم" مولفہ نواب علی ابراہیم خان خلیل عظیم آبادی ۱۱۹۶ھ – ۱۱۹۸ھ میں مرتب ہوا یہ فارسی زبان میں اُردو شعرا کا تذکرہ ہے اس کا ایک قلمی نسخہ "اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ" میں موجود ہے

شعرا کے تخلص و نام مع مختصر نمونہ کلام بلا تعین زمان و مکان لکھدئے جاتے ہیں۔ اگر کسی میں نام مع سکونت مذکور ہے تو سال ولادت و وفات اور تحصیل علمی اور خاندان وغیرہ کا حال معلوم نہیں۔ یا کسی میں یہ بھی تو وہ نہیں۔ پس ایسی حالت میں اگر کوئی شخص کسی شاعر کی نسبت یہ دریافت کرنا چاہے کہ وہ ہندوستان کے کس شہر یا کس صوبہ کا رہنے والا تھا کس سنہ اور کس خاندان میں پیدا ہوا۔ اوس کی تحصیل علمی کیا تھی اور اوس کی زندگی کے خاص سوانح کیا تھے؟ تو کوئی ایک تذکرہ خواہ کتنا ہی مستند کیوں نہو۔ ایسا نہیں پایا جاتا۔ جو ان سب امور پہ کافی روشنی ڈال سکے مثلاً غور کرو کہ "گلشن بے خار" (مولفہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ دہلوی) کے ایسے مستند تذکرہ کے معائنہ سے بھی جو انیسویں صدی کے وسط میں لکھا گیا ہے۔ نہ اسیخ عظیم آبادی کے ایسے نامور اور مسلم الثبوت شاعر کی نسبت صرف اسقدر معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک مرد فقیر تھے۔ اور اکثر تذکروں میں تو ان کا نام بھی مذکور نہیں۔ اس کے ماسوا۔ باوجود اس کے کہ اہل یورپ فن تذکرہ نویسی اور تنقیدی سوانح نگاری میں مہارت کامل اور ید طولی رکھتے ہیں۔ لیکن اسی انیسویں صدی کے وسط میں ملک فرانس کے ایک مشہور اہل قلم "گارسن دی ٹاسی" نے جب شعرائے ہند کا ایک تذکرہ اپنی زبان میں قلم بند کیا تو اوس کو بھی انہیں مذکورہ دقتوں کا سامنا درپیش ہوا۔ اور اگرچہ اوس کا تذکرہ نمونہ کلام سے معرا ہونے کے باوجود اکثر ہندی نژاد تذکروں کے مقابل میں بعض اعتبار سے

Garcin de Tassy

فوقیت رکھتا ہے - تاہم وہ بھی ان مشکلات سے حسب مراد عہدہ برا نہ ہوسکا - جن کی طرف اوس نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں خود بھی اشارہ کیا ہے -

لیکن ایسا کیوں ہے ؟ اس کی وجہ ظاہر ہے - اہل یورپ کو خواہ وہ انگلستان کے رہنے والے ہوں یا فرانس و جرمنی کے اپنے اپنے مختصر سے ملک کے کسی مشہور و نامور شخص کے مفصل سوانح بہم پہونچانے میں اسقدر دقتوں کا سامنا نہیں ہوسکتا جو ہندوستان کے ایسے وسیع ملک (جو بجائے خود قریب قریب سارے یورپ کے برابر ہے) کے تمام شعرا کے مفصل حالات فراہم کرنے میں پیش آسکتی ہیں - غور کرو کہ میر تقی میر صاحب جنہوں نے کبھی خواب میں بھی ملک دکن کو نہ دیکھا تھا اور ساٹھ برس کے سن تک دلّی سے باہر قدم نہیں نکالا - کیا اون پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اونہوں نے کیوں شعرائے دکن کا نامکمل تذکرہ میر عبدالولی عزلت کی بیاض سے (جو اون دنوں دلّی میں آئے ہوئے تھے) اوتار کر اپنے تذکرہ "نکات الشعرا" میں درج کر دیا - اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا - قریب قریب کل تذکرہ نویسوں کا یہی حال ہے - پس ان مشکلات کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ اگر میر صاحب موصوف یا دیگر تذکرہ نویس اپنے تذکروں کو تمام ہندوستان کے بجائے صرف اپنے ہی دیار کے شعرا تک محدود رکھتے تو تذکرہ نویسی کے مذکورہ بالا نقائص کی کوئی شکایت پیدا نہ ہوسکتی تھی اور ہر تذکرہ اپنی جگہ پر مکمل نظر آتا -

اس کے ماسوا - یہ امر بھی محتاج بیان نہیں کہ اگرچہ دلّی و لکھنؤ کی طرح (بلکہ لکھنؤ کی تعمیر کے پچاس برس پیشتر سے) عظیم آباد بھی قدیم زمانے سے اُردو زبان اور اردو شاعری کا ایک مستقل مرکز رہا ہی لیکن اون شہروں کی طرح کسی شاہی پایہ تخت کا شرف نہ رکھنے کے باعث رفتہ رفتہ یہاں کے ادبی کارنامے گوشۂ گمنامی میں پڑ گئے یہاں تک کہ وہاں کے تذکرہ نویسوں کو بھی یہاں کے اکثر مشاہیر شعرا کے کمالات کی کماحقہٗ اطلاع حاصل نہ ہو سکی -

معہذا اہل نظر سے یہ امر بھی پوشیدہ نہ ہوگا کہ اول تو ایسا کوئی مستقل تذکرہ لکھا ہی نہ گیا جو متقدمین و متاخرین شعرائے عظیم آباد و صوبہ بہار کے کارناموں پر مشتمل ہو اور جس سے اس تذکرہ کی ترتیب میں مدد لی جا سکتی اور اس کے ماسوا . بعض مختصر یا انفرادی تذکرے جو لکھے بھی گئے تو اون میں مورخانہ تحقیقات سے اسقدر بے پروائی سے کام لیا گیا ہے کہ تاریخی صحت کے متعلق بہ مشکل اون پر اعتبار کیا جا سکتا ہے[۱] -

---

[۱] حضرت شاد مرحوم نے حیات فریاد میں حضرت عشق کو راسخ عظیم آبادی کا شاگرد لکھ دیا ہے حالانکہ خود راسخ فدوی کے شاگرد تھے اور فدوی کو عشق سے تلمذ تھا -

بہر حال میں مولوی لطیف اللہ صاحب خستہ نے "رہنمائے اردو" جلد دوم صفحہ ۴۸۰ تذکرہ آمیر مینائی میں تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت آمیر مینائی نے داغ کے ایک سال بعد ۱۹۰۵ء میں حیدر آباد میں وفات پائی" اور حضرت داغ کا سنہ وفات

فی الجملہ انہیں خیالات کی بناپر راقم الحروف نے اس تذکرہ کو صرف اپنے ہی دیار عظیم آباد و صوبہ بہار کے شاعروں - ادیبوں اور دیگر اہل قلم کے صحیح و ضروری سوانح کی ادبی تاریخ کے طور پر مرتب کردینا مناسب خیال کیا - اور اس کا نام "تاریخ شعرائے بہار" رکھا اور گو یہ کام ابتدا میں بہ ظاہر آسان تر نظر آتا تھا - لیکن فن تذکرہ نویسی کے میدان میں قدم رکھنے کے ساتھ جس قسم کی مشکلات اور مرحلات درپیش آتے ہیں اون کا اندازہ صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ ایک ایک مختلف فیہ تاریخی واقعہ کی تحقیق یا دیگر حالات کی تفتیش کے لئے کتنے مختلف تذکروں اور کتابوں کی ورق گردانی اور کتنے دروازوں کی خاک چھاننے کے بعد گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) ۱۸۹۹ء لکھا ہی - حالانکہ امیر مینائی نے جب حیدرآباد میں وفات پائی تھی تو داغ اوسوقت زندہ وسلامت موجود تھے اور کئی سال بعد تک زندہ رہے - چنانچہ یہ تاریخ وفات بھی حضرت داغ کے نتائج افکار سے موجود ہے ؎

ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی ۔۔۔ قصر عالی پائے جنت میں امیر

اسی طرح تذکرہ "یادگار عشق" میں بھی بعض تاریخی اختلافات پائے جاتے ہیں - اس کی تفصیل تذکرہ عشق میں آگے مذکور ہے -

ان مثالوں سے اس حقیر کا مقصد کسی پر اعتراض کرنا نہیں ہی - لیکن یہ بتادینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ عموماً تذکرہ نویس مورخانہ تحقیقات سے کسقدر بے پروا ہوتے ہیں اور اون کی تالیفات سے کوئی محقق و اہل نظر فائدہ نہیں اُٹھا سکتا -

پس اگرچہ ایک ایک شخص کے مفصل اور صحیح حالات۔ اور بعض حالات میں نمونۂ کلام بھی۔ فراہم کرنے میں چند در چند دقتیں درپیش ہوئیں۔ اور باوجودیکہ پیہم علالتوں کے تسلسل کئی سال تک روزانہ کئی کئی گھنٹے صرف قلم اور کاغذ اور کتاب اور چھان بین سے سابقہ رہا۔ لیکن الحمدللہ والمنۃ کہ آخرکار یہ ایک ایسا جامع تذکرہ مرتب ہو گیا جو اس دیار کے سات سو گذشتہ و موجودہ اہل سخن کے سوانح مع نمونۂ کلام و فہرست تالیفات و تصنیفات کا غیر ضروری حالات سے قطع نظر کر کے صرف ضروری اور تاریخی امور کے اعتبار سے۔ ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ اور جو عظیم آباد و صوبہ بہار کی دو سو برس کی ایک ایسی مفصل ادبی تاریخ کا حکم رکھتا ہے کہ آیندہ اسی کی بنیاد پر عالیشان عمارتیں قائم کی جا سکتی ہیں ؎

خارہا از اثر گرمی رفتارم سوخت — منتے بر قدم راہ روانست مرا

اس تذکرہ کی ترتیب اس طریقہ پر رکھی گئی ہے کہ اس کو دو حصوں میں منقسم کر کے حصہ اول میں اُردو زبان اور اردو شاعری کی ایک جامع تاریخ بیان کرنے کے بعد پچاس پچاس برس کا ایک دور قرار دیکر ۱۱۵۰ھ (اور بیشتر) سے ۱۳۰۰ھ تک ہر دور کے شعرا کا جامع تذکرہ مع نمونہ کلام علیحدہ علیحدہ دور میں بیان کیا گیا ہے جس سے ہر دور کے تاریخی حالات اور صوبہ بہار میں اردو کے غیر مطبوعہ ادبی ذخیروں کی مقدار ذہن نشین ہو جانے کے ساتھ اس کا بھی اندازہ کیا جا سکے

ہے کہ اُردو زبان امتداد زمانہ کے اعتبار سے ہر دور میں اصلاح و ترقی
کے کس منزل کو طے کر رہی تھی۔ اور یہ تیقن کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ
مشاہیر و مسلم الثبوت شعرا کے علاوہ صوبہ کے اکثر غیر معروف صاحب
دیوان شعرا کے کلام بھی اس ادبی تاریخ میں منظر عام پر پیش کر دیئے
گئے ہیں۔ جن کا ذکر کسی سابق تذکرہ میں پایا نہیں جاتا۔ اور جیسا کہ حصہ
اول میں تین سو شعرا کے ناموں کی طویل فہرست کے معائنہ سے بھی اس کا
اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بہ جمیع الوجوہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ اس استغراق
و جامعیت اور تاریخی صحت کے ساتھ شعرائے عظیم آباد و صوبہ بہار کا
کوئی اس سے زیادہ جامع و مکمل تذکرہ اس کے پیشتر موجود نہ تھا۔

حصہ دوم میں اُردو شاعری کے متعلق دہلی و لکھنؤ کے دو مختلف اسکولوں کی
امتیازی خصوصیات کو علیحدہ عنوان میں بیان کیا گیا ہے۔ معہذا ایک
علیحدہ عنوان میں یہ بات دکھائی گئی ہے کہ عظیم آباد کو اردو شاعری کے
کس اسکول سے تعلق رہا ہے'' اس کے بعد علیحدہ عنوانوں کے ساتھ اُردو
زبان کے بعض حقائق پر فلسفیانہ نظر ڈالکر۔ اُردو شاعری کے بعض حقائق
اور تنقیدیں مذکور ہیں

پھر ان مذکورہ مضامین کے بعد ۱۳۰۱ھ سے موجودہ وقت ۱۳۵۵ھ تک
اس دیار کے تقریباً چار سو شعرائے متاخرین و معاصرین کا تذکرہ مع نمونۂ
کلام و تاریخ ولادت و فہرست تصنیفات و تالیفات وغیرہ بیان
کیا گیا ہے۔ اور جن میں مشاہیر و غیر معروف ہنگامہ ادا۔ و گوشہ نشین

اور کہنہ مشق و نو مشق کسی کو بھی تا بہ امکان نظر انداز نہیں کیا گیا۔ تاکہ ملک کی ادبی یادگاروں کے ساتھ آئندہ نسلیں بھی اس فقیر کی تاریخی خدمت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اس مقام پر اس امر کا بیان کر دینا بھی ناموزوں نہ ہوگا۔ کہ اس تذکرہ میں شعرا کے ناموں کی تقدیم و تاخیر حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ مناسب خیال کی گئی۔ چنانچہ ہر دور کے علیحدہ علیحدہ عنوان میں بھی جداگانہ طور پر یہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پس زمانہ کے اعتبار سے جس شاعر کو جس دور سے تعلق ہے اوس کا تذکرہ اوسی دور میں مذکورہ ترتیب کے تحت میں پایا جائے گا۔ اور اس بنا پر کسی کا نام اول یا آخر میں واقع ہونا افضلیت کا معیار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اس تذکرہ کی تیاری میں جسقدر قلمی اور مطبوعہ کتابوں کے مطالعے اور حوالے کی ضرورت لاحق ہوئی اون کی فہرست حسب ذیل ہے۔

کتاب	مصنف	
تذکرہ گلزار ابراہیم۔	نواب علی ابراہیم خاں	قلمی
صحف ابراہیم	〃	〃
خزانہ عامرہ۔	حسان الہند آزاد بلگرامی	〃
سرو آزاد۔	〃	〃
تذکرہ ہندی۔	مصحفی	〃
سفینہ خوشگو۔	بندرابن داس خوشگو	〃
نشتر عشق۔	آغا حسین قلی خاں عاشق	قلمی
تذکرہ فارسی۔	مصحفی	〃
عقد ثریا۔	〃	〃
سیر المتاخرین۔	نواب غلام حسین خاں	مطبوعہ
خمخانہ جاوید۔	لالہ سری رام ام اے	〃
جلوہ خضر ۲ جلد۔	صفیر بلگرامی۔	〃

گلشن ہند - مرزا علی لطف - مطبوعہ	طومار اغلاط - مولوی عصمت اللہ اکسیر مطبوعہ
گلشن بے خار - نواب مصطفی خان ”	تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر - ڈی ٹاسی ”
مقدمہ دیوان حالی - مولانا حالی ”	تذکرہ فروغ بزم - خلش تدروی ”
گلستان سخن - صہبائی دہلوی ”	یادگار وطن - مولانا شوق نیموی ”
تاریخ ادب اردو - رام بابو سکسینہ	نقش پایدار سہ جلد - خان بہادر مولانا شاد
سراپا سخن - سید محسن علی محسن لکھنوی ”	تاریخ نثر اردو - مولانا احسن مارہروی ”
نکات الشعرا - میر تقی میر ”	سخن شعرا - مولوی عبد الغفور نساخ ”
تذکرہ شعرائے اردو - میر حسن دہلوی ”	نواے وطن - خان بہادر شاد ”
چمنستان شعرا - رائے لچھمی نرائن شفیق ”	آب حیات - مولوی محمد حسین آزاد ”
گل رعنا - مولانا عبد الحی فرنگی محلی ”	یادگار عشق - ثاقب عظیم آبادی ”
شعر الہند دو جلد - مولانا عبد السلام ”	یادگار ضیغم - مولوی عبد اللہ ضیغم ”
کاشف الحقائق - شمس العلما نواب سید امداد امام ”	شعر العجم سہ جلد - مولانا شبلی نعمانی ”
حیات فریاد - خان بہادر سید علی محمد شاد ”	تاریخ بہار - خان بہادر شاد ”

یہ سب کتابیں راقم الحروف کی نظروں سے گذری ہیں - اور اکثر کا حسب موقع حوالہ بھی جا بجا لکھدیا گیا ہے - اور معہذا اکثر شعرا کے غیر مطبوعہ کلام اور مطبوعہ دواوین و دیگر تصانیف کی ایک کثیر تعداد جو برائے تبصرہ و انتخاب کلام اس سلسلہ میں پیش نظر رہیں اون کی طویل فہرست اس مذکورہ فہرست کے علاوہ ہے -

اگرچہ اکثر قلمی اور مطبوعہ کتابیں پٹنہ کی مشہور اورینٹل پبلک لائبریری

اور "انجمن ترقی اُردو" پٹنہ سٹی کے کتب خانے میں دستیاب ہوگئیں۔ تاہم بعض دیوان اور کتابیں اور بعض شعرا کے کلام جو اب تقریباً نایاب ہیں۔ اون سب کی فراہمی کے متعلق راقم الحروف اپنے اکثر اعزہ اور احباب کی اعانت اور دل چسپی کا بھی شکر گذار ہے۔ اور جنمیں عزیزی مولوی سید رفیع الدین بلخی وکیل۔ عزیزی مولوی محمود شیر وکیل۔ عزیزی قاضی عبدالودود بیرسٹر۔ عزیزی مولوی سید جمال الدین وکیل۔ عزیزی مولوی یوسف الدین بلخی۔ عزیزی مولوی ضمیر الدین احمد۔ مولوی ابوالحیات ساکن روہائی۔ جناب مولوی ریاض حسن خاں صاحب خیال رئیس سولپور۔ مولوی شاہ منظور الرحمن اختر ساکن کاکو۔ سید شاہ خلیل الرحمن مغلپورہ۔ مولوی احسان حسن خاں صاحب احسان۔ عزیزی پروفیسر عبدالمنان بیدل۔ جناب حکیم سید شاہ محمد الیاس صاحب یاس بہاری۔ اور ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب (پی۔ ایچ۔ ڈی) اس مقام پر قابل ذکر ہیں۔

آخر میں راقم الحروف بہار گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ آنریبل سر سید محمد فخرالدین خان بہادر۔ وزیر تعلیمات بہار و اڑیسہ کا تہ دل سے شکر گذار ہے جنہوں نے صوبہ کے اکثر مشاہیر اہل قلم کی قدردانیوں کے ساتھ۔ اس فقیر کی سابق تصنیف موسوم بہ "انسان کی پرواز" کی ڈھائی سو جلدیں اسکولوں اور کالجوں کے کتب خانے کے لئے خرید فرما کر اوس کی اشاعت میں بیش بہا امداد فرمائی تھی۔ اور جنکی علمی قدردانیاں صوبہ بہار کے ادبی کارناموں کے ساتھ صفحات تاریخ پر ہمیشہ یادگار رہینگی۔

راقم خاکسار

سید عزیز الدین احمد بلخی المتخلص بہ راز عظیم آبادی
بخشی محلہ۔ پٹنہ سٹی

۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُردو زبان اور اردو شاعری کی تاریخ

آج سے کئی ہزار برس پہلے ہندوستان میں دلّی اور متھرا کے علاقوں میں برج بھاشا۔ دکن میں مہاراشٹری۔ اور اودھ اور صوبہ بہار میں پالی زبان بولی جاتی تھی۔ اور اسی طرح قریب قریب ہر صوبہ کی بھاکا۔ اور ہر دیس کی پراکرت الگ الگ تھی۔

یہ سب بھاکائیں اور پراکرتیں حقیقت میں اون غیر آیرین اقوام کی بولیاں تھیں جو بہت قدیم زمانے سے شمال مشرقی سمت سے آکر اس ملک میں بس گئی تھیں۔ ان کے بعد جب شمال مغربی سمت سے آکر آیرین قوم کے لوگوں نے ہندوستان میں اپنا تسلط جمایا تو یہ اپنے ساتھ اپنی مادری اور قومی زبان سنسکرت بھی لیتے آئے تھے۔ اور اسی سنسکرت میں ان کی مقدس کتاب وید بھی ہوئی۔

لیکن انھوں نے اون تمام غیر آیرین قوموں کو جو ان کی محکوم ہوگئی تھیں۔ شودر یعنی ناپاک کا لقب عطا کیا۔ اور ان شودروں کے کانوں میں یہ اپنی مقدس زبان کے الفاظ کا ڈالنا بھی قطعاً ناروا سمجھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ وہ سب پراکرتیں جو ان غیر آیرین اقوام کی

زبانیں تھیں۔ اپنی جگہ پر بدستور آزاد رہ گئیں۔ اور سنسکرت کا اون پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا۔

ہمارے صوبہ بہار کو قدیم زمانے میں مگدھ دیس کہتے تھے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ یہاں پالی زبان بولی جاتی تھی۔ ڈھائی ہزار برس کا عرصہ گذرا بودھ مذہب کے پیغمبر حضرت گوتم بدھ پر بودھ گیا میں تجلی حق کا ظہور ہوا۔ اور اونھوں نے اسی مقدس پالی زبان میں اپنے مقدس دین کی تبلیغ شروع کی۔ اور اسی زبان میں اون کے مذہبی احکام بھی قلمبند ہوئے

مگدھ دیس کے راجہ اور ہندوستان کے بہتیرے راجاؤں نے اس نئے دین کو لبیک کہا۔ اور اس طرح بودھ مذہب کے ساتھ ساتھ اس مقدس پالی زبان نے بھی تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل کر لی۔

بہرحال یہ مقدس پالی زبان جب مذہب کا جھنڈا لیکر اپنے دیس سے قدم آگے بڑھاتی چلی تو برج بھاشا اور ہندوستان کی دیگر پراکرتیں بھی بتدریج اس میں مخلوط ہوتی گئیں۔ یہانتک کہ راجہ اسوک کے عہد تک جب پاٹلی پتر یعنی پٹنہ تمام ہندوستان کی

(۱) حضرت گوتم بدھ تقریباً ۵۶۳ ق م میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۸۳ قبل مسیح میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی پیدائش اور انتقال کے زمانہ میں مورخوں کا اختلاف ہے برما اور سیلون کے بودھ مذہب والے تقریباً ایک سو برس کا فرق بتاتے ہیں۔

وسیع سلطنت کا دار الحکومت تھا[1]۔ تو صوبہ بہار سے پنجاب و دکن تک
بودھ مذہب کی عملداری ہو جانے کے ساتھ۔ معبدوں۔ کانچوں ستونوں
اور پتھروں پر تمام تر اسی مخلوط پالی زبان کی عبارتیں کندہ کی ہوئی نظر
آنے لگیں۔ اور یہ مخلوط زبان جب ہندوستان بھر میں بولی اور سمجھی
جانے لگی تو اس نے سرو ستی بھاشا کا لقب پایا۔ جس کے معنی ملکی
زبان کے ہیں۔ یہاں تک کہ بودھ مذہب کے ہندوستان سے مفقود ہو جانے کے[2]
بعد بھی اگرچہ پھر قدیم ہندو دھرم کی جان میں جان آئی۔ مگر اس سرواستی بھاشا

[1] راجہ اسوک نے ۲۷۲ ق م سے ۲۳۱ قبل مسیح علیہ السلام تک سلطنت کی
اس نے راجگیر اور پاٹلی پتر میں بڑے بڑے دار العلوم قائم کئے تھے۔ اور بودھ مذہب کی اشاعت کیلئے
مبلغین غیر ممالک میں بھیجے۔ چین اور جاپان میں بودھ مذہب اسکی سعی سے پہونچا۔ اور اس وقت
تبت چین جاپان۔ برما سیام انام اور سیلون وغیرہ میں چالیس کروڑ نفوس اس مذہب کے پیرو ہیں۔
[2] بودھ مذہب اور جین مذہب کی بنا اسی مگدھ دیس قائم ہوئی۔ اور کروروں آدمی اس کو بڑا مقدس
مقام جانتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی دنیا کی تاریخ میں مگدھ دیس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ ۶۱۰ء
کے قریب کارن سوارن (بنگالہ) کے راجہ ساسنکا نامی نے راجہ راجیہ وردھانا نامی کو جو بودھ مذہب کا
پیرو تھا ایک مجلس میں آنیکی دعوت دی اور فریب سے اوس کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد مگدھ دیس و پاٹلی پتر میں بودھ
مذہب والوں کو سخت ہزیمت پہونچائی۔ ان کے بتوں اور مورتیوں کو توڑ کر خاک میں ملا دیا۔ بودھ گیا کے
اوس متبرک درخت کو بھی جہاں گوتم بدھ پر تجلی حق کا ظہور ہوا تھا جڑ سے کٹوا کر آگ لگا دی۔ اور اس مذہب
والوں کی تمام خانقاہوں عبادت گاہوں اور تعلیم گاہوں کو مسمار کر دیا۔ اور ان کے رہنے والوں کو خانہ بدوش
کر کے نکلوا دیا۔ اس واقعہ کے چھ سو برس بعد ۱۱۹۹ء میں محمد بن بختیار خلجی نے صوبہ بہار کو فتح
کر کے مسلمانوں کی عملداری میں شامل کیا۔

کے عالمگیر راج میں کسی اور زبان کا سکہ پھر رائج نہ ہو سکا۔

اس کے بعد سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے وقت سے مسلمان فاتحین عموماً فارسی اور کچھ ترکی بولتے ہوئے اس ملک میں داخل ہوئے۔ اور یہیں رہنے سہنے بھی لگے۔ اون کے شاہی فرمانوں اور دفتروں کی زبان تو جوں کی توں فارسی ہی رہی۔ مگر ایک جگہ رہ کر باہم لین دین اور بات چیت کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ فارسی کے کچھ الفاظ ہندوؤں کی زبانوں پر۔ اور اس مخلوط بھاشا کے الفاظ مسلمانوں کی زبانوں پر چڑھ جائیں۔

غرض اوایل میں سلطنت غلامان ہی کے عہد سے فارسی اور بھاشا سے ملکر یہ مخلوط زبان آپس میں ایک دوسرے کے ادائے مطلب کا ذریعہ بن گئی۔ یہاں تک کہ آٹھویں صدی ہجری میں سلطان بلبن کے وقت میں حضرت امیر خسرو کے ایسے سربرآوردہ شاعر نے اسی مخلوط زبان میں مثنوی "خالق باری" نظم کر ڈالی جس کا یہ پہلا شعر ہے

خالق باری سرجن ہار ؎ واحد ایک بڑا کرتار

اور اون کی منظوم پہیلیاں اور مکرنیاں بھی اس کی شہادت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور شہنشاہ اکبر کے عہد تک تو ہندی کے بہت سے الفاظ مثلاً کٹار۔ تلوار۔ گھوڑا۔ ہاتھی۔ رائے۔ راجہ مہاراجہ۔ گھڑی۔ گھڑیاں۔ گھاٹ وغیرہ نے بادشاہوں اور ادیبوں کی فارسی تحریروں میں مستقل طور پر اپنی جگہ بنا لی تھی۔

نواب محمد امیر خاں[1] **انجام** بھی تھے جو محمد شاہی دور کے مشاہیر اُردو شعرا میں شمار کئے گئے ہیں۔ اور محمد شاہ بادشاہ[2] کے عہد تک تو قلعہ معلی کے اندر اس ریختہ کی بلند عمارت قائم ہو کر "اردوئے معلی" کا لقب[3] حاصل کر چکی تھی۔ مشہور شاعر شمس الدین **ولی** دکنی بھی اسی دور سنہ ۱۱۳۲ھ میں دکن سے دلّی آ گئے تھے۔

اگرچہ ایک زمانے تک عام طور پر مشہور رہا کہ ریختہ میں سب سے پہلے **ولی** نے دیوان مرتب کیا ہے یا سب سے پہلے شاعر **ولی** ہوئے ہیں لیکن اب یہ بات روشنی میں آ گئی ہے کہ یہ خیال محض غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ **ولی** سے سوا سو برس پیشتر دکن میں اردو شاعری کا رواج ہو چکا تھا۔ اور اصناف سخن میں سے ہر صنف ریختہ میں لکھی جا چکی تھی اس کی کسیقدر تفصیل یہ ہے کہ دکن میں عالمگیر کے وقت تک قطب شاہیوں کی

---

[1] نواب امیر خاں انجام کا اصلی نام سید محمد اسحٰق تھا۔ یہ محمد شاہ رنگیلے کے وزیر تھے۔ کچھ دنوں کے لئے الہ آباد کے صوبہ دار بھی مقرر ہوئے تھے۔ سنہ ۱۱۵۶ھ میں ایوان شاہی میں ایک شقی القلب نے ان کو قتل کر دیا ؎

نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے ۔۔ کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہی پہچانی ہوئی

ساتھ لیتے مر کے تھا انجام پاس تمکنت ۔۔ شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر جلاد ہم

[2] محمد شاہ بادشاہ خود بھی شاعر تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

کھول کر بند قبا دل کے تئیں غارت کیا ۔۔ کیا حصارِ قلب دلبر نے کھلے بندوں کیا

نین میں دل کی چکری جڑ کے بھیجا ہوں تری خاطر ۔۔ اگر پہونچے تمہارے ہاتھ لکھ بھیجو کہ پہونچی ہے

ایک خود مختار سلطنت موجود تھی۔ انھیں قطب شاہیوں میں محمد قلی قطب شاہ (متوفی ۱۰۲۲ھ) محمد قطب شاہ (متوفی ۱۰۳۵ھ) اور عبداللہ قطب شاہ (متوفی ۱۰۸۳ھ) یہ تینوں بادشاہ شاعر تھے۔ جن میں مقدم الذکر کے ضخیم کلیات کا شاہی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں آج تک موجود ہے۔ اور ان تینوں کے مکمل دیوان کے نسخے نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر محمد قلی قطب شاہ کے دو شعر ملاحظہ ہوں جو اردو کلام کا غالباً سب سے قدیم ترین نمونہ ہیں ؎

پیا ہوں میں حضرت کے ہات آب کوثر ∴ تو شاہاں اوپر مجھ کلس کر بنایا
سدا تو مدح نبی و علی کہہ کہتا ہے ∴ معانی شعر ترا تو لکھے ہیں دست بدست

فی الجملہ ان قطب شاہیوں کے بعد اور بھی چند شعرا مثلاً ملا ہاشمی۔ مولانا نصرتی۔ اور میرزا ان مرثیہ گو وغیرہ کا ذکر "بساطین السلاطین" میں موجود ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ریختہ میں شعر و سخن کا چرچا پہلے پہل دکن سے شروع ہوا ہے۔ اور اس کے بعد دلی میں ولی[1] کے زمانے سے اس کا نشو و نما ہوا۔

اس کے ماسوا خود ولی کے معاصرین میں عارف الدین خاں عاجز

[1] شمس الدین ولی اورنگ آباد دکن کے رہنے والے تھے۔ تقریباً ۱۰۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۳۴ھ میں دلی میں آئے تھے۔ اور ۱۱۵۵ھ میں احمد آباد میں وفات پائی۔

بہرحال اس میں کلام نہیں کہ اُردو زبان کی تاریخ میں شاہ عالم کا دور، اُردو شاعری کے معراج کمال کا زمانہ تھا۔ بادشاہ خود بھی شاعر تھے اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ اور حضرت مظہر جان جاناں۔ خواجہ میر درد۔ میر اثر۔ میر سوز میر تقی میر۔ مرزا رفیع سودا۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی۔ شیخ قلندر بخش جرأت۔ سید انشاء اللہ خاں انشا۔ اور حضرت عشق اور جوشش اور راسخ عظیم آبادی وغیرہ جو اس دور کی یادگار ہیں۔ وہ سب ایسے باکمال اور یکتائے زمانہ ہوئے کہ ہندوستان کی خاک پھر اون کا بدل پیدا نہ کرسکی۔ اقلیم شاعری میں یہ لوگ اپنی اپنی طرز کے موجد قرار پائے۔ اور ان کے بعد لوگوں نے صرف انھیں کے تتبع کو اپنا سرمایہ کمال سمجھا۔ اور اس طرح عرصہ گاہ شعر وسخن کی تمام فضائے بسیط میں ایک مدت تک ان کی شہرت اور حسن قبول کی صدائے بازگشت گونجتی رہی۔

ان میں خصوصاً حضرت مظہر جان جاناںؒ وہ باکمال بزرگ ہیں جن کی نسبت مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ۔ (ترجمہ فارسی)

"سخن گوئی کی ابتدا میں کہ اوس وقت تک میر و مرزا کوئی"
"بھی میدان میں نہیں آئے تھے۔ ریختہ کے شعر کو فارسی"
"کے تتبع میں کہنے والے سب سے پہلے شخص یہی ہیں۔"

اور پھر آگے چلکر لکھتے ہیں کہ:۔

" اس فقیر کے نزدیک زبان ریختہ کے نقاش اول "
" مرزا (مظہر) ہیں۔ اس کے بعد دوسروں نے "
" ان کی پیروی کی "

عظیم آباد کے اساتذہ متقدمین میں ہیبت قلی خاں حسرت۔ درد مند۔ اور میر باقر حزیں مرزا علیہ الرحمہ کے شاگرد اور مرید اور معتقد تھے۔

مرکز شاعری کا دلی سے لکھنؤ اور عظیم آباد میں منتقل ہونا

بہر حال جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اردو زبان کی تاریخ میں اس دور کے شعرا کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسوقت تک اردو شاعری کے اعتبار سے تمام ہندوستان میں صرف دلّی کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مگر اب دلّی میں دھرا ہی کیا تھا۔ شاہ عالم برائے نام بادشاہ تھے۔ اور حقیقت میں مرہٹوں کا راج تھا۔ کسی کی رائی نہ دُہائی۔ ہر طرف لوٹ مار اور بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی شخص دم بھر کے لیے چین سے میٹھی نیند نہیں سو سکتا تھا۔ جس کی بھیانک تصویر کا بعض رخ مرزا سودا نے بھی "شہر آشوب" میں عبرت انگیز طریقہ سے کھینچکر دکھایا ہے۔ اس ہلچل میں شعرا کی یہ جمی جمائی مجلس بالکل درہم برہم ہو گئی۔ رنگ میں بھنگ نظر آنے لگا۔ ایک ایک کر کے سب دلّی سے نکل گئے۔ جس کی جدھر سینگ سمائی۔ بہتیروں نے مرشد آباد کا رخ کیا۔ اکثر عظیم آباد میں چلے آئے۔ اگرچہ عام طور پر لوگوں نے زیادہ تر لکھنؤ ہی کو تاکا۔ جہاں نواب آصف الدولہ کی

فیاضیاں سے سونے اور چاندی کی گنگا جمنا بہہ رہی تھیں۔ اور اس طرح شاعرانہ حیثیت سے جو مرکزیت پہلے دلّی کو حاصل تھی وہ اب لکھنؤ اور عظیم آباد کو بھی حاصل ہو گئی۔ جس کے متعلق سید انشا "دریائے لطافت"[1] میں اس طرح لکھتے ہیں:- (ترجمہ)

"یہ مجمع جہاں کہیں بھی بچتا ہے ان کی اولاد کو "دلی وال"
"اور ان کے محلے کو "محلہ اہل دہلی" کہتے ہیں۔ اور اگر
"یہ لوگ سارے شہر میں آباد ہو گئے تو اوس شہر کو "اُردو"
"کہتے ہیں۔ لیکن سوائے لکھنؤ کے ان لوگوں کا کسی اور شہر میں"
"جمع ہو جانا فقیر کے نزدیک ثابت نہیں۔ گو مرشد آباد اور"
"عظیم آباد کے باشندے بزعم خود اپنے کو "اردو داں" اور"
"اپنے شہر کو "اردو" سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اہل دہلی کا ایک محلہ"
"عظیم آباد میں جمع ہو گیا ہے۔ اور نواب صادق علی خاں"
"عرف میرن۔ اور نواب قاسم علی خاں عالیجاہ کے وقت"
"میں مرشد آباد میں بھی اسیقدر زیادہ جمع ہو گیا تھا۔"
"اور اہل مغلپورہ (فیض آباد) اور دیگر دلّی وال"
"اشخاص اس بحث سے خارج ہیں۔ اور لکھنؤ میں قریب"
"سبب تمام اہل دہلی فصیح اور غیر فصیح جمع ہو گئے ہیں"
"اور یہ شہر گویا شاہ جہان آباد (دہلی) ہو گیا ہے۔ لکھنؤ نہیں رہا۔"

[1] واضح ہو کہ یہ کتاب "دریائے لطافت" ۱۲۲۲ھ میں نواب سعادت علی خاں والی اودھ کے ایما سے مرزا قتیل کی معیت میں سید انشاء اللہ خاں نے لکھی تھی۔ ۱۲

لیکن اس مقام پر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اسی دور میں شعرا کی یہ مجلس جب تک دلّی میں گرم رہی اردو شاعری پر سلاطین اور امرا کے درباری تعلقات کا برا اخلاقی اثر نہیں پڑا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا حضرت مظہر جان جاناںؒ نے فارسی شاعری کے تصوفانہ انداز پر اس کی تجدید و اصلاح کی تھی۔ خواجہ میر دردؒ کے یہاں ہر مہینہ کی پندرہویں تاریخ کو مجلس مشاعرہ منعقد ہوتی تھی بعد کو انقلابات زمانہ سے جب ان کے ہاں مشاعرہ کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا تو انھوں نے میر تقی میرؔ صاحب سے فرمایا کہ اس مشاعرہ کو اپنے یہاں کیا کرو چنانچہ خود میر صاحب "نکات الشعرا" میں فرماتے ہیں کہ:۔ (ترجمہ)

"بندہ کے مکان پر ہر مہینے کی پندرہویں تاریخ کو جو مجلس ریختہ مقرر ہے۔ واللہ وہ انہیں بزرگ کی ذات سے ہے"

غرض جب تک اردو شاعری نے دلّی میں نشو و نما پائی۔ ادبی گوشہ نشینوں اور قناعت پسندوں کے دائروں اور خانقاہوں سے نکل کر درباروں اور بازاروں کی ہوا نہیں کھائی تھی۔

حضرت مظہر جان جاناںؒ تو ۱۱۹۵ھ میں چوراسی سال کی عمر میں کسی شقی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ خواجہ میر دردؒ دلّی سے نکلے ہی نہیں اللہ پر توکل کئے اپنی جگہ پر بیٹھے ہی رہے۔ ۱۱۹۹ھ میں انتقال فرمایا

میر سوزؔ اور مرزا رفیع سوداؔ درانیوں کے دوسرے حملے کے وقت گھر چھوڑ کر پہلے ہی فرخ آباد جا چکے تھے۔ جب وہاں نواب مہربان خان رندؔ کا کھیل بگڑا۔ تو ان لوگوں نے فیض آباد کا رخ کیا۔ جہاں بہو بیگم کی سیر چشمی

اور جب الوطنی سے دلی کے شاہی متوسلین کا ایک محلہ آباد ہو گیا تھا۔ مگر پھر کچھ دنوں کے بعد جب نواب آصف الدولہ نے ۱۱۹۴ھ میں لکھنؤ کو دار السلطنت قرار دیا۔ تو یہ بھی لکھنؤ چلے آئے۔ میر سوز تو نواب کے استاد ہی تھے۔ مرزا سودا کو بھی چھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر نواب نے دیدی تھی۔ ۱۱۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

میر تقی میر صاحب کی وضعداری نے ساٹھ برس کے سن تک ان کو اپنی جگہ سے ٹلنے نہ دیا۔ مگر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو آخر گھبرا کر یہ بھی ۱۱۹۷ھ[۵۱] میں لکھنؤ پہونچ گئے۔ نواب آصف الدولہ کی تعریف میں قصیدہ لکھکر پیش کیا۔ جس میں غریب الوطنی اختیار کرنے کا پورا ماجرا بھی بیان کیا نواب نے تین سو روپے ماہوار اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔ مگر گرفتہ مزاجی کے باعث دونوں میں پھر پٹری نہیں بیٹھی۔ گو نواب کی زندگی تک تنخواہ جاری رہی۔ سو برس کی عمر پاکر ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا۔

میر صاحب کے آتے ہی پھر تو مصحفی اور انشا اور جرأت اور مرزا قتیل وغیرہ سبھی لکھنؤ میں آ گئے تھے۔ غریب مصحفی کی رسائی نواب وزیر کے دربار تک تو نہ ہو سکی۔ مرزا سلیمان شکوہ[۵۲] نے پہلے پچیس روپے

---

۵۱ گلشن ہند از مرزا علی لطف۔ تذکرہ میر۔

۵۲ مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے۔ حسب تحریک نواب گورنر جنرل (لارڈ کارنوالس) ان کو دربار اودھ سے چھ ہزار روپے اور بعد کو بارہ ہزار روپے ماہوار جیب خرچ کے لئے ملا کرتے تھے۔ ۱۲

ان کے منتظر گئے تھے بعد کو انشاء اللہ خاں کی چھیڑ چھاڑ بارگاہ اور جوڑ توڑ کے باعث پچیس سے پانچ ہی رہ گئے۔ مگر مصحفی کی قادر الکلامی اور پرگوئی نے لکھنؤ میں ان کے سیکڑوں شاگرد پیدا کر دیئے۔ اکثر لوگ ان سے غزلیں خرید کر مشاعروں میں پڑھا کرتے تھے۔ ان کے آٹھ دیوان اس کے علاوہ ہیں۔ ہندوستان کی دنیائے شاعری میں اسوقت تک لکھنؤ کے جتنے سلسلے شاعری کے پائے جاتے ہیں وہ سب مصحفی ہی کی ذات سے قائم ہیں۔

میر انیس صاحب کے والد میر مستحسن خلیق۔ مرزا دبیر صاحب کے استاد میر مظفر حسین ضمیر۔ سعادت یار خاں رنگین (موجد ریختی) خواجہ حیدر علی آتش منشی مظفر علی اسیر (استاد منشی امیر احمد امیر مینائی) یہ سب ان کے علانیہ شاگرد تھے شیخ ناسخ نے میر تقی میر کی بارگاہ سخن سے پہلے پہل محروم پھرنے کے بعد۔ شاگردی کے لیے کو کسی اور دروازہ کی خاک چھاننے کی پھر ہمت نہیں کی اور نہ کسی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ لیکن مصحفی کے شاگردوں میں محمد عیسیٰ تنہا سے تنہائی میں مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ غرض بالواسطہ یا بلا واسطہ۔ اون کو بھی مصحفی سے فیض سخن ضرور حاصل ہوا[1]۔ سنہ ۱۲۴۰ھ میں مصحفی نے انتقال کیا۔

---

[1] خود مصحفی نے بھی اپنے دیوان پنجم کے دیباچہ میں ان کو "یکے از دوستان محمد عیسیٰ تنہا" لکھا ہے۔ اور مصحفی اور میر حسن وغیرہ قدیم تذکرہ نویس "دوست" اور "یار" اور "رفیق" کا لفظ شاگرد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ منہ۔ واضح ہو کہ تذکرہ "جلوۂ خضر" اور "شعر الہند" میں اس کو دیوان ششم قرار دیا ہے۔ لیکن جس دیوان میں راقم کی نظر سے یہ عبارت گذری وہ مصحفی کا دیوان پنجم ہے اور اس میں سال کتابت سنہ ۱۲۳۲ھ درج ہے۔ یہ دیوان مولوی ریاض حسن خاں صاحب خیال کے کتب خانے میں موجود ہے۔ للمولف۔

بہر حال - چونکہ مصحفی و ناسخ کے دور تک اردو زبان اپنی موجودہ قالب کو اختیار کر چکی تھی - اسلئے اسکی تاریخ کو ختم کرتے اور اس پار کے ادب کا تذکرہ شروع کرنے کے پیشتر اس مقام پر اس امر کا اعادہ کر دینا بھی غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ اردو زبان کی اصل "سرواستی بھاشا" ہے - جیسا کہ اوپر بیان ہوا - اور اس "سرواستی" زبان کی خمیر میں بودھ مذہب کی حکومت و اقتدار کی بدولت پالی زبان کا عنصر بہت زیادہ غالب ہے - یہ پالی زبان مگدھ دیس یعنی صوبہ بہار[1] کی خاص پراکرت تھی اور اس مناسبت سے یہ کہنا بھی شاید غلط نہ ہوگا کہ خصوصاً اہل بہار کو اردو زبان سے قدیمی ربط و مناسبت حاصل ہے اور یہ اس دیس کی مادری زبان کہی جا سکتی ہے -

---

[1] پالی زبان میں "ویہار" یا "بہار" اوس مکان کو کہتے تھے جہاں بودھ مذہب کی تعلیم دیجاتی تھی - یہ تعلیم گاہیں خاص قصبہ بہار میں بہت زیادہ تھیں - اس لئے اس قصبہ کا یہی نام مشہور ہو گیا - اور دار الحکومت ہونے کے باعث صوبہ کے نام کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے -

واضح ہو کہ راجہ ساسنکا کی غارت گری کے بعد ۶۷۱ء سے ۱۱۹۶ء تک قصبہ بہار پال خاندان کے راجاؤں کا دار الحکومت رہا جو عموماً بودھ مذہب کے راہب ہوا کرتے تھے - اس زمانے میں دار العلوم نالندہ تمام ہندوستان کے طالبان علم و فن کا مرجع بنا ہوا تھا مگر گیارہویں صدی عیسوی کے پیشتر یہ بھی تباہ و برباد ہو چکا تھا - اس کے آثارات حال میں زمین سے کھود کر نکالے گئے ہیں - یہ مقام قصبہ بہار سے تین چار میل کے فاصلہ پہ واقع ہے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ شعرائے بہار

جلد اول

پہلا دور

متقدمین شعرائے عظیم آباد

سنہ ۱۱۵۰ھ (اور اس کے پیشتر) سے سنہ ۱۲۰۰ھ تک

(بہ ترتیب حروف تہجی)

اطہر تخلص - میر غلام علی نام - شاگرد میر شمس الدین فقیر دہلوی - دلّی سے نکل کر مرشد آباد آئے تھے - مگر کچھ دنوں کے بعد سنہ ۱۱۹۲ھ میں عظیم آباد چلے آئے - نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی مولف تذکرہ "گلزار ابراہیم" سے بھی ربط تھا - نمونہ کلام یہ ہے ؎

کرنا تھا جو کچھ نہ کر گئے ہم
افسوس کہ یونہیں مر گئے ہم

الفت۔ لالہ اجاگر چند متوطن عظیم آباد قوم کایستھ ماتھر۔ پہلے غربت تخلص کرتے تھے۔ دام الفت میں گرفتار ہو کر الفت تخلص اختیار کیا میر محمد علیم تحقیق سے تلمذ تھا[1]۔ نہایت قناعت و خوش دلی کے ساتھ معاش قلیل میں بسر اوقات کرتے تھے۔ فارسی نظم و نثر دونوں میں ید طولی حاصل تھا۔ دیوان فارسی کا مرتب تھا۔ (نمونہ کلام یہ ہے۔)

در آمد شام غم در سینہ حسرت نام مہمانے	ز داغ دل کشیدم بے تکلف پیش او خوانے

آلم تخلص۔ صاحب میر نام۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کے صاحبزادے تھے۔ دلی کی تباہی کے وقت اپنے والد کی زندگی میں وطن سے نکل کر عازم مرشد آباد ہوئے۔ ۱۱۹۴ھ میں راجہ دولت رام کی رفاقت میں عزت و حرمت کے ساتھ بسر کر رہے تھے۔ کچھ دنوں عظیم آباد میں بھی رہے۔ اس کے بعد اپنے وطن مالوف کو واپس چلے گئے۔ تقریباً ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا۔ سراپا عجز

نے دن کو قرار بے قراری کے سبب	نے شب ہی کو خواب اشکباری کے سبب
واقف رہا تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی	یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

امامی۔ خواجہ امام بخش۔ نواب سراج الدولہ کے عہد میں مرشد آباد میں موجود تھے۔ لیکن ۲۴ سنہ جلوس شاہ عالم یعنی ۱۱۹۷ھ میں عظیم آباد میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے اور رغبت و عسرت کے ساتھ

[1] تذکرہ قلمی بندرابن داس خوشگو

بسر کر رہے تھے۔ نمونہ کلام ؎

اے چشم تو تھام اس کو ہے اشک تو جوش اوپر
مژگاں نہیں رکھ سکتے اس طفل کو دوش اوپر

آمین مولانا محمد امین اللہؒ خلف مولوی سلیم اللہ۔ مولد و وطن موضع نگر نہسہ ضلع عظیم آباد۔ تفسیر و حدیث مولانا شاہ عبد العزیزؒ دہلوی سے پڑھی۔ تمام عمر طاعت و عبادت اور درس و تدریس میں بسر کی۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ایک مدت تک مدرس بھی رہے۔ ایک رسالہ "حاشیہ میر زاہد" انکی تصنیف سے ہے۔ اور "شرح مسلم الثبوت" کی تالیف میں مصروف تھے کہ خود انکی کتاب حیات کا خاتمہ ہو گیا۔ نظم فارسی میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و معجزات میں ان کا فصیح و بلیغ "قصیدہ عظمیٰ" آج تک ارباب علم میں متداول ہے جس کا یہ مطلع ہے ؎

مخدرات سراپردہ ہائے قرآنی چہ دلبر اند کہ دل می برند پنہانی

یہ قصیدہ چند بار چھپ چکا ہے۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ کو انتقال کیا ؎

مزرعِ عشق آمیں برگ و بر طرفہ دہد انگند تخم وفا نخل جفا برخیزد

مولانا محمد ابراہیم مرحوم مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ (متوفی ۹ رمضان المبارک ۱۲۸۳ھ) جنہوں نے "دیوان متنبی" کی شرح فارسی لکھی ہے ان کے پوتے تھے۔

آمین تخلص۔ خواجہ امین الدین نام۔ متوطن عظیم آباد۔ تقریباً ۱۱۹۵ھ میں چند سال پیشتر سے نواب مظفر جنگ میر محمد رضا[1] کی سرکار سے متسلک تھے۔ ایک مدت تک اون کی رفاقت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ جب یہ سلسلہ بھی درہم برہم ہوا تو نہایت قناعت اور جوانمردی کے ساتھ خانہ نشینی میں زندگی کے بقیہ دن گذار دیئے ۱۲۲۰ھ تک حیات تھے۔

نواب علی ابراہیم خاں سے بھی قدیمی ربط تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "شعر فہمی اور سخن رسی میں نادر روزگار ہیں۔ بلندی فکر اور استقامت ذہن ایسی رکھتے ہیں جو انکے معاصرین میں کم پائی جاتی ہے" فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا ہے۔ دیوان فارسی کا ایک نسخہ خانقاہ عمادیہ عظیم آباد محلہ منگل تالاب

[1] میر قاسم کی شکست کے بعد (جس کے مفصل حالات تذکرۂ عشق کے ضمن میں حاشیہ پر آگے مذکور ہیں) نظامت بنگالہ کی مسند پر جب میر جعفر دوبارہ متمکن ہوئے تو میر محمد رضا دیوان اور نائب ناظم مقرر ہوئے تھے۔ یہ ایرانی الاصل تھے۔ نن کمار (سابق حاکم ہگلی) بھی اسی عہدہ کیلئے امیدوار تھا۔ وہ مقرر تو نہ ہو سکا مگر اوسکی سازشوں اور شکایتوں کی بدولت محمد رضا خاں اور انکے نائب راجہ شتاب رائے دونوں گرفتار ہو کر کلکتہ روانہ کئے گئے۔ اور دو برس تک بغیر تحقیقات مقدمہ و ثبوت جرم قید میں پڑے رہے۔ بالآخر محمد رضا خاں کے خلاف جو ثبوت جرم نن کمار نے پیش کئے تھے وہ نواب علی ابراہیم خاں نے انکی طرف سے ایسے رد کئے کہ اونکی تردید نہ ہو سکی اور یہ بے جرم ثابت ہو کر رہا ہو گئے مگر اپنے کاموں سے موقوف۔ مدت تک کلکتہ میں اپنی بحالی کیلئے کوشش کرتے رہے۔ آخر ۳ ر مارچ ۱۷۷۸ء کو پھر اپنے عہدہ پر بحال ہوئے ۱۲

کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ریختہ کا دیوان اب نایاب ہے۔ یہ نمونہ کلام ہے

دنیا میں جو آ کر نہ کرے عشق بتاں کا
نزدیک ہمارے نہ یہاں کا نہ وہاں کا

خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا
مہ چادر مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا

گر ارادہ نہیں ہے آنے کا
فائدہ اس قدر بہانے کا

آئی بہار ہو گئے ہر خار راہ سبز
لیکن ہوئے نہ آہ یہ بخت سیاہ سبز

کیا کہوں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں
گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پئے جاتا ہوں

فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکر معاش
غم کو کھاتے ہیں امین خون جگر پیتے ہیں

میں بوسہ جو مانگا۔ جو جھنجلا گیے وہ
لگا کہنے کیا ہے۔ کہا کچھ نہیں

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی

صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی

اس زمانے میں امین مت کر کسی سے دوستی
شمع کی گردن۔ نہ دیکھی دوستداری میں کٹی

دل باندھئے تو یار کے کاکل سے باندھئے
بلبل کو باندھئے تو رگ گل سے باندھئے

ایکدم ہو گئی گر اوس سے ملاقات تو کیا
زندگی کا ہے مزا یہ کہ مساوات کٹے

دنیا میں کہنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلے
پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

انور۔ شاہ علی اکبر خلف حیدر خاں۔ رفیق عمدۃ الملک امیر خاں
انجام۔ دو برس تک اپنے والد کے ہمراہ کابل میں رہے۔ اس کے بعد عظیم آباد آکر تکیہ آغا حسینا میں فروکش ہوئے۔ آغا حسینا کے داماد بھی تھے

صوفی مزاج قلندرانہ وضع سے بسر کرتے تھے۔ خط نستعلیق و نسخ و شکستہ و شفیعا میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ ۱۱۵۵ھ میں انتقال کیا۔ فارسی کا ایک مختصر دیوان ان کی یادگار ہے۔ ؎

در بزم تماشائے تو ہر قطرۂ اشک تا چکید از مژہ چشم نگران صورت بست

بسمل۔ سید جبار علی۔ ایک مدت تک عظیم آباد میں تھے ۱۱۹۶ھ بنارس چلے گئے ؎

نامہ درد و الم میں نے جب آغاز کیا جو ترے غم کے سوا تھا قلم انداز کیا

بیخود۔ شیخ محمد دائم متوطن عظیم آباد۔ خط نستعلیق میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام ؎

ذرہ تا خورشید یک آئینہ دار حیرت اند کیست غیر او کہ چشم از تحیر بر داریم ما

مرزا عبدالقادر بیدل

خلف مرزا عبدالخالق۔ متوطن عظیم آباد ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ایک مدت تک ناظم بنگالہ شہزادہ محمد اعظم خلف اورنگ زیب کے دربار سے منسلک رہے۔ پھر دکن کی سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ عرصے تک دکن میں رہنے کے بعد دلی چلے آئے۔ اور عمر کا بقیہ حصہ وہیں گذارا ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا۔ ہندوستان سے ایران تک شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے بیدل تخلص شیخ عبدالعزیز عزت[1] کے دامن تربیت میں اختیار کیا تھا

[1] تذکرہ "صحف ابراہیم"۔

ایک عصائے آہنی جس کا وزن ۶۶ سیر تھا ہر وقت ہاتھ میں رکھتے تھے کلیات ان کا تقریباً ایک لاکھ ابیات پر مشتمل ہے۔ بحر متدارک اور کامل وغیرہ جو شعرائے عرب کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور اہل عجم نے اون سے احتیاط کیا ہے۔ اون بحروں میں انہوں نے اکثر غزلیں کہی ہیں۔ ؎

ستم ست گر ہوست کشد کہ بہ سیر و سمن درآ — تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

بجو بیدل علاج سر نوشت از گریۂ حسرت — بہ موج بادہ نتواں شست ہرگز خط ساغرہا

جب دل کے آستاں پہ عشق آن کر پکارا — پردہ سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

بیریا۔ شاہ کرم علی۔ متوطن عظیم آباد۔ شاگرد ملا عزیز اللہ عزیز و مرید شاہ گلشن دہلوی۔ سراج الدین خاں آرزو سے کچھ مواخات تھی۔ بحر فنا میں ایسے غرق ہوئے کہ پھر پتہ نہ لگا۔ نمونہ کلام ؎

بہ تن گر دورم از وصلت بدل پیوستہ ام با تو
برنگ شاخ پیوندی رگ جاں بستہ ام با تو

خواجہ عبد اللہ تائید

خلف خواجہ رحمت اللہ۔ تقریباً ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ نواب علی ابراہیم خاں خلیل کے ہم عصر اور اون کے بڑے مخلص تھے۔ ان کے مکتوبات کو ایک کتاب موسوم بہ "زبدۃ المنشات" میں ان کے بیٹے خواجہ محمد علی تمنا نے

جمع کیا تھا۔ انہیں میں ایک مکتوب بنام شہزادہ مرزا جواں بخت جہاندار شاہ (خلف شاہ عالم بادشاہ) بھی ہے۔ جس میں انہوں نے حسن اور شام سندر کے عشق کی مشہور و معروف سچی داستان بیان کی ہے۔ جس کو میر تقی میر نے مثنوی "شعلہ عشق" میں اور مولانا شوق نیموی نے مثنوی "سوز و گداز" میں نظم کیا ہے۔ یہ واقعہ پٹنہ میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں گذرا تھا۔ چنانچہ میر صاحب "شعلہ عشق" میں فرماتے ہیں ؎

عجب کام پٹنہ میں اس سے ہوا ... عجب ایک عالم کو جس سے ہوا

اس قصہ کو منشی باقر علی خاں لکھنوی نے بھی نثر فارسی میں لکھا ہے جو ایک رسالہ کی صورت میں ۱۲۶۴ھ میں چھپا تھا

خواجہ عبد اللہ تائید نے ۱۲۰۶ھ میں انتقال کیا۔ دیوان فارسی مرتب تھا ؎

یارب بہ حق دیدۂ شب زندہ دار ما ... بے روئے دوست تیرہ مکن روزگار ما

بر مشت خاک ما چو رسیدی گریستی ... تا طرف دامن تو نہ گیرد غبار ما

بہ نامرادی جاوید چوں کنم تائید ... زخود نہ سازد اگر نامہ بر جواب مرا

میر محمد علیم - تحقیق

خلف میر بدیع الدین سمرقندی عرف میر میتن[۱]۔ مولد و مسکن عظیم آباد

[۱] عظیم آباد کا محلہ میتن گھاٹ غالباً انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

۱۰۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ معقولات و منقولات میں شہرۂ آفاق۔ فن موسیقی و تیر اندازی میں کمال حاصل تھا۔ پیراکی میں ایسی مہارت بہم پہونچائی تھی کہ پانی پر چار زانو بیٹھکر گنگا کے پار اُتر جاتے تھے۔ خوش حالی اور بے فکری کے باعث مینڈھے۔ مرغ اور بٹیریں لڑانے کا بھی شوق تھا۔ ایک مدت تک دلّی اور بنگال وغیرہ کی سیاحت میں مصروف رہے۔ پھر اپنے وطن مالوف کو واپس آ گئے۔ زین الدین احمد خاں ہیبت جنگ کو ان سے بہت عقیدت تھی۔

شاعری میں مرزا معز موسوی خاں فطرت سے تلمذ تھا۔ اور خود ان کے تمام ہندوستان میں صدہا شاگرد تھے۔ بانوے (۹۲) برس کی عمر میں ۱۱۶۲ھ میں انتقال کیا۔ ان کے شاگرد لالہ اُجاگر چند اُلفت نے یہ تاریخ کہی ؎

فرمود کہ تحقیق شدہ واصل حق
۱۱۶۲ھ

فارسی کا ایک دیوان ضخیم یادگار چھوڑا ؎

حباب بحر وجودم چہ از وجود مرا | کہ نیست غیر عدم در طلسم بود مرا
ہنوز صورت غیرم دوچار میگردد | گرفتم اینکہ دل آئینہ شد چہ سود مرا

تمکین۔ مولوی رحمت اللہ۔ نبیرۂ ملّا محمد امین۔ متوطن کشمیر۔ جو عہد شاہ جہاں کے مشہور علما میں تھے۔ علوم متداولہ سے

بہرہ مند - علم رمل میں بھی دستگاہ حاصل تھی - عرصے تک دلی میں مقیم رہے - مرزا عبدالغنی بیگ قبولؔ سے تلمذ تھا - کلام میں صنعت ایہام اکثر پائی جاتی ہے - نمونہ کلام ؎

غیر زلفش کہ برو سجدہ بہ پائش تمکیںؔ
ہیچ کافرنہ شنیدیم مکلف بہ نماز

تمنّاؔ - خواجہ محمد علی - متوطن عظیم آباد - خواجہ عبداللہ تائیدؔ کے بیٹے تھے - ؎

کب تک صدائے نوحہ دل ہم سنا کریں
تنگ آگئے ہیں زیست سے اللہ کیا کریں

شیخ محمد روشن جوششؔ

جوششؔ تخلص - شیخ محمد روشن نام - وطن عظیم آباد - جسونت رائے ناگر کی اولاد میں تھے مشرف بہ اسلام ہوئے - اپنے وقت کے مسلم الثبوت استاد اور فن عروض کے ماہر تھے - زمانہ نے ان کی سحر البیانی پر تمام شعرا اور تذکرہ نویسوں سے محضر شہادت لکھوایا - بقول مولف گلشن ہند "خوش لیاقتی ان کی جو کچھ کہئے اس سے زیادہ ہے" - تذکرہ میر حسن و "گلشن بے خار" بھی ان کی شیریں کلامی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں - خواجہ میر دردؔ کی روش اختیار کی تھی اور اس طرز کو بہت خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے - نواب علی ابراہیم خاں "گلزار ابراہیم" میں لکھتے ہیں کہ "شیخ موصوف نے ۱۱۹۲ھ میں اپنا کچھ کلام

تذکرہ مذکور میں درج کرنے کے لئے ان کے پاس بنارس بھیجا تھا"

دیوان جوشش کا ایک قلمی نسخہ شیخ سبحان علی مرحوم (والد مولانا شوق نیموی) کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ مولانا شوق نیموی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ جس پر تاریخ کتابت ۱۲۳۶ھ درج تھی ممکن ہے موضع نیمی میں اب تک محفوظ ہو۔ یہ نسخہ ۱۹ جزو میں تمام ہوا ہے ہر صفحے میں ۷ اشعار ہیں۔ اس میں قصاید بھی ہیں۔ اور تاریخ بھی ہے۔

اب ان کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اپنی ہی عیب جوئی ہے یہ ہنر ہمارا | اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے

ایک عالم اوس کے حسن کا مشتاق ہو گیا | جب عشق میرا شہرۂ آفاق ہو گیا

مانند چنار آگ میں اپنے ہی جلے ہم | گلزار محبت میں نہ پھولے نہ پھلے ہم

ہزار شکر کہ میں دردِ سر نہیں رکھتا | تعلقات جہاں کی خبر نہیں رکھتا

ہونی تھی سو ہو چکی روتا ہے کیا | دے کے دل پچھتانے سے ہوتا ہے کیا

اب میرے اوس کے نامہ و پیغام ہو چکا | لینا تھا اوس کو دل سو لیا اوس نے نامہ بر

مجکو وصال یار میسر کہاں ہوا | غش آگیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا

اوس کو لیلی ہی کے دروازے پہ مرجانا تھا | قیس پھرتا رہا جو دشت میں دیوانہ تھا

آہ انگاروں پہ لوٹا کئے ہم ساری رات | اشک گرم آنکھوں سے تا صبح رہے جاری رات

ایک یہ دل ہے غرض دوست ہے یا دشمن ہے | نہ کوئی دوست ہے میرا نہ کوئی دشمن ہے

کشورِ عشق میں رسوا سر بازار ہوئے اوس کے ہاتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے

جس طرح دل کا داغ جلتا ہے اوس طرح کب چراغ جلتا ہے

ہیبت قلی خاں حسرت

حسرت تخلص۔ اصل نام میر محمد حیات تھا۔ باشندہ عظیم آباد۔ مرزا مظہر جانجاناںؒ کے معتقد اور شاگرد تھے۔ کچھ دنوں نواب شوکت جنگ خلف نواب صولت جنگ حاکم پورنیہ کی رفاقت میں رہے۔ اور کچھ دنوں کے لئے نواب سراج الدولہ ناظم بنگالہ کی سرکار میں داروغگی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ نواب مذکور کی شہادت کے بعد یہ ایک مدت تک پریشان حال رہے۔ پھر (بقول مولف گلشن ہند) ۱۱۹۵ھ میں نواب مبارک الدولہ میر مبارک علی خان بہادر خلف میر جعفر صوبہ دار بنگالہ کی رفاقت میں بھی نہایت غربت اور پریشانی کے ساتھ بسر کر رہے تھے۔ بالآخر ۱۲۱۰ھ میں اس سرائے فانی سے سفر کر گئے۔ نہایت لطیفہ سنج اور قانع اور حاضر جواب تھے۔ نواب علی ابراہیم خاں سے بھی ربط تھا۔ ایک دیوان ریختہ قریب دو ہزار بیت کے ان کی یادگار سے ہے۔ فیلن صاحب کا بیان ہے کہ دیوان اردو کے علاوہ ایک قصہ طوطی نامہ بھی ان کی تصنیف سے تھا۔ ان کے بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو آج تک زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں مگر یہ کوئی نہیں جانتا

کہ کس شاعر کے ہیں - نمونہ کلام یہ ہے ؎

آپ ہی اپنے یار تھے - جاتا نہیں ۔۔۔ غیر میں بھولے تھے پہچانا نہیں
ہم نہ ہوں - تو ہو تو سب چرچا کریں ۔۔۔ شمع ہو محفل میں پروانہ نہیں

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا ان بتوں کا عشق ۔۔۔ اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہو ۔۔۔ اُدھر پہاڑ اِدھر ایک شیشۂ دل ہو

لے اوڑا کام اپنا پروانہ ۔۔۔ ہائے ہم بال و پر نہ رکھتے تھے

میر محمد باقر حزیںؔ

حزیںؔ تخلص، میر محمد باقر نام - متوطن دہلی - محمد شاہی عہد کے شعرا میں نام آور - حضرت مرزا مظہر جانجاناں کے مرید اور ارشد تلامذہ میں تھے - دیوان میں جہاں کہیں اُستاد کا ذکر کرتے ہیں اوس سے اون کے اخلاص و عقیدت اور مرزا صاحبؒ کے لطف و کرم کا پتہ چلتا ہے - چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

جس طرح جی چاہتا ہو ہو نہیں سکتی حزیںؔ ۔۔۔ حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

نادر شاہ کی چڑھائی کے بعد دلّی کی ویرانی مصائب روزگار اور افسردہ خاطری نے ان کو بھی گھر اور وطن چھوڑنے پر مجبور کیا - تقریباً ۱۱۵۴ھ میں عظیم آباد چلے آئے اور نواب سعید احمد خاں صولت جنگ کی رفاقت میں عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے

تذکرہ فتح علی گردیزی (مولفہ ۱۱۶۵ھ) میں بہ حوالہ مرزا مظہر جانجاناں مذکور ہے کہ فی الحال (یعنی ۱۱۶۵ھ میں) کسی کے عشق میں دل دیگر متاع صبر و شکیب کھو کر راہی ملک عدم ہوئے۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ جس میں قصائد بھی ہیں اور بیشتر غزلیں ہیں۔ میر تقی میر اور مرزا سودا نے بھی ان کو اکابر شعرا میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ مرزا سودا فرماتے ہیں:

داغ ہوں ان سے اب زمانے میں ۔۔۔ بزم شعرا کے جو ہیں صدر نشیں
یعنی سودا و میر و قائم و درد ۔۔۔ بے ہدایت سے تا کلیم و حزیں

عظیم آباد میں میر غلام حسین شورش ان کے شاگردوں میں سربرآوردہ تھے۔

یہ کہکے باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت ۔۔۔ لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوڑیں آشیاں اپنا

ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ اب ۔۔۔ چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

کیوں نہ ہووے شاد ہم سے حضرت مجنوں کی روح ۔۔۔ عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں حزیں آباد ہم

جو ہیں آنکھوں کے مخمور اون کو میخانے سے کیا نسبت ۔۔۔ نگہہ کے جو ہیں تشنہ اون کو پیمانے سے کیا نسبت

ہوا ہے تو حزیں دیوانہ ان شہری غزالوں کا ۔۔۔ تجھے صحرا سے اب کیا کام ویرانے سے کیا نسبت

حضور۔ شیخ غلام یحییٰ۔ عظیم آباد کے رہنے والے۔ شیخ محمد باقر کے بھتیجے تھے۔ تجارت کرتے تھے۔ انہوں نے تقریباً ۱۱۹۰ھ میں درگاہ شاہ ارزاں کی توصیف میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی جس کے چند شعر

حسب ذیل ہیں ؎

مزار اوس کی یہ گنبد نہیں۔ ہے قبۂ نور
وہاں ہی جلوہ نما کچھ عجب طرح کا ظہور

وہاں جو حوض نظر آتے ہیں وہ حوض نہیں
میں دیکھا چشم صداقت سے آج اوس کے تئیں

اور ایک طرف سین پہ ہی رو ہیں مایہ تسخیر
لئے دلوں کو پھنسانے کو زلف کی زنجیر

عجب طرح کی ہے اون کی نگاہ کیا کہئے
وہ کھپ ہی ہے مرے دل میں آہ کیا کہئے

جب اوس کے چاہ ذقن کا خیال آتا ہے
تو کیا کہوں مرا جی ڈوب ڈوب جاتا ہے

خاکستر۔ منشی سب سکھ۔ برادر مہاراجہ رام نرائن موزوں صوبہ دار عظیم آباد۔ قوم کائستھ سری باستو۔ محمد فقیہہ دردمند (تلمیذ حضرت مظہر جانجاناں) کے فیض صحبت سے بہرہ مند تھے۔ نمونہ کلام ؎

بہار کرد گل عارض عرق ناکش
نگہہ بہ چشم تماشا ز شوق لبریز ست

خلیق - کرامت اللہ خاں - متوطن عظیم آباد - نواب ہدایت اللہ خاں خرم کے پوتے اور محمد جعفر خاں راغب کے بھتیجے تھے۔ ابتدا میں قدا تخلص کرتے تھے۔ لکھنؤ جا کر مرزا فاخر مکیں کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے خلیق تخلص عنایت کیا ؎

جاناں اگرچہ جائے وفا در دل تو نیست
لیکن کدام دل کہ درو منزل تو نیست

تا کے بہ غم عشق تو آہ از جگر آید
اے کاش دل خستہ ام از سینہ برآید

خورشید - سید خورشید علی - متوطن بلگرام ۱۱۵۹ھ میں

پیدا ہوئے۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا ہے پہلے شیخ صائغ بلگرامی۔ پھر میر غلام علی آزاد[1] اور شیخ علی حزیں کے

[1] سید غلام علی آزاد بلگرامی ولد سید محمد نوح۔ علامہ عبد الجلیل بلگرامی کے نواسے تھے ۱۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۵ برس کی عمر میں ۱۱۵۰ھ میں پیادہ پا بلگرام سے روانہ ہوئے مالوہ تک پیادہ پا چلے۔ پاؤں میں چھالے پڑ پڑ گئے۔ اتفاقاً نواب آصف جاہ دکن اون دنوں مالوہ میں وارد تھے۔ قسمت ان کو اوس لشکر میں لے گئی۔ الغرض نواب آصف جاہ کی اعانت سے زاد راہ خاطر خواہ لیکر حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے واپس آکر ان کی عمر کے ۴۸ سال دکن میں گذرے اور وہیں وفات پائی۔ اپنے وقت کے نہایت مشہور و معروف عالم و ادیب تھے۔ انہوں نے زبان عرب میں ایسے قصاید نعتیہ لکھے ہیں کہ خود ملک عرب میں ایک مدت تک اون کا درس دیا جاتا تھا۔ شاہ یمن نے "حسان الہند" کا خطاب دیا تھا۔ ۱۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔ تذکرہ سرو آزاد۔ خزانہ عامرہ۔ اور ماثر الکلام کے علاوہ ۱۔ شرح صحیح بخاری عربی۔ ۲۔ شمامۃ العنبر در وصف ہند بایات و حدیث عربی۔ ۳۔ تسلیۃ الفواد عربی۔ ۴۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان عربی۔ عربی گو شعرا کا تذکرہ مصر میں بھی شائع ہوا ہے۔ ۵۔ دیوان عربی سہ ہزار بیت۔ ۶۔ مثنوی مظہر البرکات عربی۔ ۷۔ سند السعادت فی حسن خاتمہ سادات فارسی ۸۔ روضۃ الاولیا فارسی ۹۔ غزلان الہند فارسی۔ ۱۰۔ دیوان فارسی۔ ۱۱۔ ید بیضا۔ ۱۲۔ شجرہ طیبہ در تحقیق نسب نامہ سادات بلگرام وغیرہ ان کی مشہور تصنیفات ہیں ۱۲ منہ

فیض سخن سے بھی بہرہ مند ہوئے۔ ایام شباب میں آرہ ضلع شاہ آباد میں آکر مقیم ہوئے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے بلیا کی تحصیل بھی ان کے سپرد ہوئی تھی۔ سنہ ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا۔ آرہ میں مدفون ہوئے۔

کلام اردو کا نمونہ یہ ہے ؎

اشک ریتیا بیاں ہیں اس دل بیتاب کو ۔ بے قراری جس طرح آتش پہ ہو سیماب کو

خوشتر ۔ میاں فضل اللہ ۔ خلف اصغر میاں محمد افضل سرخوش میاں مذکور نے فیض اللہ پسر کلاں کو تخلص خوش قلم۔ اور فضل اللہ کو خوش تر اور بندرابن داس مولف "تذکرہ خوش گو" کو تخلص خوش گو عنایت کیا تھا۔ مگر ان لوگوں کا کلام دستیاب نہیں ہوا ؎ (خوش تر)

دل خوش کن عشاق بافسوں نگاہے ۔ چوں چشم جگر خوار تو در تیہ نباشد

محمد فقیہہ دردمند

دردمند تخلص۔ محمد فقیہہ نام۔ وطن اصلی دکن ہے۔ بقول مولف "چمنستان شعرا" [1] قصبہ محمد آباد بیدر میں پیدا ہوئے۔

[1] تذکرہ "چمنستان شعرا" مولفہ رائے لچھمی نراین شفیق پیشکار نظام الملک آصف جاہ۔ شاگرد میر غلام علی آزاد بلگرامی۔ ۱۱۷۵ھ میں لکھا گیا۔

اس کا صرف ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود تھا۔ جس کو حال میں "انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن" نے چھاپ کر شائع کر دیا ہے۔ یہ تذکرہ میں تذکرہ

ہنوز کم سن تھے کہ اپنے والد کے ہمراہ ۱۱۳۶ھ میں دکن سے دہلی آئے اور جناب شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ظل عاطفت میں رہکر تہذیب و تحصیل علوم سے بہرہ مند ہوئے - کچھ دنوں کے بعد ان کے والد نے انتقال کیا تو مرزا مظہر جانجاناںؒ نے اپنے سایہ شفقت اور دامن تربیت میں ان کو لیا - چنانچہ خود مرزا صاحبؒ ان کے حق میں فرماتے ہیں ؎

مظہر مباش غافل از احوال دردمند لعلے ست ایں کہ در گرہ روزگار نیست

فی الجملہ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں (۱۱۶۱-۱۱۶۷ھ) یہ دلی سے نکل کر عظیم آباد آئے - اور نواب غلام حسین خاں ابن نواب اعظم خاں کی رفاقت میں بسر اوقات کرتے رہے - نواب علی ابراہیم خاں کے خالو نواب زائر حسین سے بھی بہت دوستانہ ربط تھا - غرض ایک مدت تک عظیم آباد میں رہنے کے بعد پھر دہلی گئے اور کچھ دنوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) ماخوذ ہے اون کی فہرست حسب ذیل ہے :-

(۱) تذکرہ "مردم دیدہ" از شاہ عبد الحکیم حاکم (۲) "مجمع النفائس" مولفہ خان آرزو - (۳) "سرو آزاد" مولفہ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی - (۴) نکات الشعرا - میر تقی میر (۱۱۶۵ھ) (۵) تذکرہ فتح علی شاہ گردیزی ۱۱۶۵ھ (۶) تحفۃ الشعرا - تالیف افضل بیگ خاں قاقشال اورنگ آبادی ۱۱۶۵ھ - ان تذکروں کے علاوہ حاجی علی اکبر رمال اور رضا خاں آگواد کی بیاضوں سے بھی بعض شعرا کے حالات لئے گئے ہیں ۱۲

وہاں رہے۔ بالآخر نواب علی وردی خاں مہابت جنگ کے بھتیجے
نوازش محمد خاں شہامت جنگ کے حسب طلب یہ پھر دلی سے
مرشد آباد آئے۔ اور کچھ دنوں فارغ البالی سے بسر کرکے ۱۱۷۶ھ
میں وہیں انتقال کیا۔ ایک دیوان فارسی ان کی یادگار ہے
اردو میں تو یہی ساقی نامہ نہایت مشہور ہے۔ جس کا کچھ انتخاب
اس مقام پہ مذکور ہے ؎

ارے ساقی اے جان فصل بہار — یہی تھا ہمارا و تیرا قرار
مرے عیش کا دفتر ابتر نہ کر — قیامت کو مجھ پر مکرر نہ کر
تجھے جان گل کے لہو کی قسم — تجھے باغ کے رنگ و بو کی قسم
کہ اس سرکشی سے نہ کر یا تماں — مرے خون کو اپنے اوپر حلال
لگی ہے ہی مجھے پیاس اب آگ کی — گلوگیر ہے تشنگی راگ کی

شیخ محمد عابد دلؔ

دلؔ تخلص۔ شیخ محمد عابد نام۔ وطن عظیم آباد۔ شیخ محمد روشن
جوششؔ کے بڑے بھائی تھے۔ نواب علی ابراہیم خاں خلیلؔ
لکھتے ہیں کہ ۱۱۹۳ھ میں انہوں نے اپنا کلام مرشد آباد میں بھیجا تھا
تاکہ تذکرہ "گلزار ابراہیم" میں درج کیا جائے۔ ان کے کلام کا
انتخاب یہ ہے ؎

گر یار نے آنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا — ابتک دلِ مضطر نے کیا کیا نہ کیا ہوتا

ملا ہیں ہمارے عشق کا جو درد ہو سو ہو — چہرے کا میرے رنگ وہی زرد ہے سو ہے

مجھے تو حکم ضبط نالہ و فریاد ہوتا ہے — پر اس بیتابوں کے حق میں کیا ارشاد ہوتا ہے

نالے ہی سدا ہجر بھر دن عمر کے بھرتے ہیں — اس تیغ میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

دوست۔ غلام محمد۔ بہار کے رہنے والے۔ کچھ دنوں مرشد آباد میں بھی مقیم تھے۔ اور وہیں مولف "گلزار ابراہیم" سے ان سے ملاقات ہوئی۔ بقول مولف موصوف عاشق مزاج تھے۔ نمونہ کلام ؎

کافر ہو جس کے دل میں تری آرزو نہ ہو — کس کام کی زباں کہ تری گفتگو نہ ہو

راغب۔ محمد جعفر خاں۔ نواب لطیف اللہ خاں پانی پتی کے بھتیجے تھے۔ عظیم آباد میں آکر بہ حالت غربت بسر کرتے تھے۔ زیادہ تر فارسی اشعار سے راغب تھے ؎

راغب کو کوئی ڈھونڈھے کوچہ میں ذرا اوس کے
وہ سوختہ دل بارے شاید کہ وہاں ہوگا

رستم۔ رستم علی خاں۔ مخاطب بہ احتشام الدولہ عرف نواب بہادر۔ گو یہ عظیم آباد کے نہ تھے۔ مگر ایک عرصہ تک مرشد آباد و عظیم آباد میں رہے۔ نواب سعادت علی خاں کے ہمراہ آئے تھے پھر ۱۱۹۶ھ میں بنارس چلے گئے ؎

شریک حال میرا غم ہی میرا وہی مونس وہی ہمدم ہی میرا

رضا - میر محمد رضا - خلف الرشید میر جمال الدین حسین **جمال** عظیم آبادی - میر حبیب اللہ کے قرابت مند تھے - اس زمانے میں ان کا شمار نومشقوں میں تھا - میر **ضیا** کے شاگرد تھے ۵

روتا پھرتا ہی نالے بھرتا ہی کہہ رضا یہ تو کس پہ مرتا ہی

رفعت - شیخ محمد رفیع - اصل وطن الہ آباد تھا - مگر ایک مدت سے عظیم آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی - نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کی سرکار میں بڑے اعتبار کے ساتھ عہدہ اعلیٰ پر سرفراز تھے ۵

الٰہی داد میرے قتل کی اُٹھا دینا کہ ہونہ حشر میں قاتل کو خوں بہا دینا

رمز - شاہ حمزہ علی - وارستہ مزاج - خوش رو جوان تھے - ابتدا میں سپاہیوں کے زمرہ میں ملازم تھے - آخر ترک علائق کرکے درویشی اختیار کی - کمل پوش - لنگوٹ بند - برہنہ سر - ننگے پاؤں ایک مدت تک مرشد آباد کی گلیوں میں ادھر اُدھر مارے پھرتے تھے پھر سنہ ۱۱۹۴ھ میں عظیم آباد چلے آئے - شاہ ارزاں کی درگاہ میں رہتے تھے ۵

ہائے کس گھر کے تئیں بیٹھ کے ہم یاد کریں غم مجنوں کریں یا ماتم فرہاد کریں

رنگینؔ ۔ منشی بلاس رائے ۔ متوطن عظیم آباد ۔ قوم کایستھ سری باستو ۔ مہاراجہ رام نرائن موزوںؔ ناظم عظیم آباد کے رفقا میں تھے ۔ ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا ۔ نمونہ کلام ؎

از دختر رز شیخ بہ فرسنگ گریزد | ایں مرد بہ بینید چہ نامرد بر آمد

عشق از دل من سینہ پر از آبلہ دارد | فریاد کہ آتش ز سپندم گلہ دارد

سجادؔ تخلص ۔ اسم شریف محمد سجاد عرف غلام نقشبند خواجہ عماد الدین قلندر کے صاحبزادے اور پیر مجیب اللہ کے داماد تھے ۔ مولد و مسکن قصبہ پھلواری متصل عظیم آباد ۱۱۱۶ھ دور عالمگیری میں پیدا ہوئے ۔ اور ۱۱۷۳ھ سال جلوس شاہ عالم میں وفات پائی ۔ فارسی اور اُردو دونوں میں شوق پورا کیا ہے ۔ ریختہ کا کلام عہد محمد شاہی کی قدیم اُردو کا نمونہ ہونے کے اعتبار سے خاصکر قابل لحاظ ہے ؎

صدقے ترے ساقیا آج لگا دے سبیل | وارد میخانہ ہی زاہد پرہیزگار

آپ الگ ہیں خفا دل ہو جدا ہے کہا | آپ ہی ٹک سوچئے کیا کرے سجادؔ زار

سعدؔ ۔ مولوی محمد سعید قریشی ۔ متوطن عظیم آباد ۔ محلہ کوچہ فرخ خاں ۔ نواب عاقل خاں رازیؔ ناظم دہلی کے رفیقوں تھے ۔ شرح مقامات حریری ۔ اور کافیہ و شافیہ و تہذیب اور دیگر متد اولات مثل عروض

قوافی وغیرہ کی شرحیں۔ جملہ ۵۵ کتابیں ان کی تصنیفات سے تھیں۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

کنوں تالیف من پنجاہ و پنج ست　　　که حاصل گشته از بسیار رنج ست

یہ سب کتابیں عظیم آباد میں مستند تسلیم کی جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ ایک مثنوی اور دو دیوان ردیف وار مرتب تھے۔ ایک میں سعدؔ تخلص ہے اور دوسرے میں غالبؔ۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

اے شده شهره بخوشروئی و نازک بدنی　　　لب میگوں تو باشد چو عقیقِ یمنی

هرگز از شرم نه گفتی سخنے با عاشق　　　غنچه در باغ خود استی تو باین کم دہنی

سلیمؔ۔ میر محمد سلیم۔ انہوں نے ایک سانحہ عجیب کے متعلق ریختہ میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔ نواب علی ابراہیم خاں کے آشنا تھے ۱۱۹۰ھ میں رحلت کی ؎

دو رفیق اپنے جو تھے عشق میں دونوں بگڑے　　　نہ دل اب ہاتھ میں نے دیدۂ تر ہاتھ میں ہے

شاقیؔ۔ امین الدین۔ متوطن دہلی۔ مقیم عظیم آباد۔ معاصر سوداؔ ؎

مت زخم دل مرے کو کوئی التیام دو　　　ظالم کو بلکہ زخم دگر کا پیام دو

شاکرؔ۔ میر یحییٰ۔ باشندہ عظیم آباد۔ نمونہ کلام ؎ رباعی

گر آه مرا اثر نباشد چه غم ست　　　در حالِ منش خبر نباشد چه غم ست

شاکر تو ز دوست شکوه داری فریاد　　　فریاد رسے اگر نباشد چه غم ست

شاہ - میر شاہ قلی خاں - جوان زیبا - دہلی سے آئے مرشد آباد میں بہ حال پریشاں وارد تھے - نواب سراج الدولہ کی تباہی کے بعد لکھنؤ چلے گئے - پھر نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کے عہد میں بہ سلسلہ ملازمت عظیم آباد آئے - جب نواب مذکور کا شیرازہ بھی درہم برہم ہو گیا تو یہ دکن چلے گئے اور وہیں انتقال کیا ؎

کیا مری آہ کیا صنم کی نگاہ — ایک ترکش کے تیر ہیں یا اللہ

شرر - مرزا ابراہیم - عظیم آباد کے قدیم مسلم الثبوت شعرا میں ہیں - میر محمد علیم تحقیق کے شاگرد تھے - نمونہ کلام ؎

سرگزشت اپنی جو لکھئے تو قلم رکتا ہے — سامعاں کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے

شورش - شاہ آیت اللہ - متوطن پھلواری متصل عظیم آباد - خلف الصدق و جانشین مولانا شاہ محمد مخدوم ۱۲۳۰ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشیں ہوئے - صاحب دیوان تھے ؎

گردش چشم بتاں گردش جام ست اینجا — غیر ازیں بادہ دگر بادہ حرام ست اینجا

گر نیم شبے آہ بہ گردوں رود از دل — گریند ملائک ہمہ بر حالت شورش

میر غلام حسین شورش

شورش تخلص - میر غلام حسین نام عرف میر بھینا - عظیم آباد کے رہنے والے - ملا میر وحید کے بھانجے تھے - شاعری میں میر باقر حزیں سے

مشورہ سخن کیا تھا۔ نواب علی ابراہیم خاں مولف تذکرہ "گلزار ابراہیم"[ا؎] نے لکھا ہے کہ یہ میرے دوستوں میں ہیں۔ اپنی شاعری کا بہت غرور رکھتے ہیں .... اور انہوں نے جو ایک تذکرہ شعرائے ریختہ کا ریختہ میں لکھا ہے وہ بھی بہ سبب ان کی خود پسندی کے قباحتوں سے خالی نہ تھا۔[۲؎]

ا؎ گلزار ابراہیم و گلشن ہند تذکرہ شورش

۲؎ نثر اُردو کی تاریخ سے پایا جاتا ہے کہ دکن کی قدیم ترین نثر نویسی سے قطع نظر کیجئے تو عام فہم اُردو میں سب سے پہلے فضلی دکنی نے ۱۱۴۵ھ میں ایک کتاب "دہ مجلس" کے نام سے کسی فارسی کتاب سے ترجمہ کی تھی۔ فضلی کی دہ مجلس کی عبارت کا نمونہ تذکرہ "آب حیات" اور "جلوہ خضر" وغیرہ میں موجود ہے اس لئے اس مقام پر اوس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ پھر اس کے بعد احمد شاہ بادشاہ کے حکم سے میر محمد حسین کلیم دہلوی نے (جو میر محمد تقی میر کے بہنوئی تھے) محی الدین ابن عربی کی مشہور کتاب "فصوص الحکم" کا ترجمہ کیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک رسالہ "عروض و قافیہ" میں اور ایک اور کتاب بھی نثر اُردو میں لکھی تھی۔ جس کا حسب ذیل فقرہ۔ احمد شاہ بادشاہ کے نابینا کئے جانے کے باب میں میر حسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے:۔

کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر — آج کے دن اندھے ہو بیٹھے بصیر
ایسی دولت سے زنہار زنہار — فاعتبروا یا اولی الابصار

گو اس کتاب کا سنہ تالیف معلوم نہیں۔ لیکن اس امر کو پیش نظر رکھکر کہ احمد شاہ بادشاہ ۱۱۶۱ھ میں تخت نشیں ہوا۔ اور ۱۱۶۷ھ میں قید کر کے مکحول کیا گیا۔

بہر حال ۱۱۹۵ھ میں شورش نے انتقال کیا۔ دیوان ان کا زبان ریختہ میں مرتب تھا۔ مگر وہ بھی تذکرہ ہی کے مانند عنقا صفت ہوگیا ہے ؎

ہم جو روتے ہیں لوگ ہنستے ہیں ہنستے ہی گھر ستا ہے بستے ہیں

اٹھی یہ الفت گل کے سبب سے سب ایذا وگرنہ کیا تھا ہمیں ہم صفیر و۔ دام سے کام

رقیب گرچہ بہت برخلاف ہے شورش ہوا کرے ہمیں ہے یار اپنے کام سے کام

ابر روتا ہے تو بھی روئے چشم اس میں جو ہونی ہو سو ہوئے چشم

روبرو جانے کی رخصت نہیں دیتے درباں حال دل میں پس دیوار سنا آتا ہوں

نواب سید ہدایت علی خاں ضیمر

مخاطب بہ نصیر الدولہ بخشی الملک اسد جنگ بہادر ولد سید شاہ علیم اللہ۔ دہلی سے آکر عظیم آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی ناظم بنگالہ نواب شجاع الملک محمد علی وردی خاں مہابت جنگ کے خویش تھے۔ شجاعت وسخاوت میں مشہور روزگار۔ کچھ دنوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵) یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ محمد حسین کلیم کی یہ کتاب ۱۱۶۷ھ یا اس کے بعد کی تصنیف ہے اور چونکہ اس سے پیشتر ۱۱۶۵ھ میں باقر حزین (استاد غلام حسین شورش) کا عظیم آباد میں انتقال ہوچکا تھا۔ اور شورش نے شعرائے دہلی کے حالات انہیں سے حاصل کئے ہوں گے۔ اس لئے یہ بھی استنباط کہا جاسکتا ہے کہ "تذکرہ شورش" کو کلیم کی کتاب نثر پر باعتبار زمانہ تقدیم حاصل ہے۔ یا دونوں قریب قریب ایک ہی زمانے کی تصنیفیں ہیں۔ — للمولف۔

نیک نامی کے ساتھ عظیم آباد کے صوبہ دار بھی رہے[ل] - اور اسی سلسلہ میں پھر دہلی گئے - مگر حسب خواہ طور پر کامیابی نہ ہوئی - اوایل سلطنت شاہ عالم میں عظیم آباد واپس آئے اور یہیں انتقال کیا - حسین آباد میں مدفون ہوئے فارسی اور اردو دونوں میں کہتے تھے ؎

نہ یہ صہبا جو کرے جلوہ گری شیشہ میں — کی ہے ساقی نے فسوں پڑھکے پری شیشہ میں

اوس مسی زیب کے میں لیکا ہوں بیمار طبیب — نہ چھپا تو عرق نیلوفری شیشہ میں

میر ضیاء الدین ضیا

ضیا تخلص - میر ضیاء الدین نام - دہلی کے رہنے والے - مرزا سودا کے ہمعصر تھے - میر حسن نے ابتدا میں اصلاح سخن انھیں سے لی ہے

ل سید شاہ علیم اللہ دہلی کے رہنے والے تھے - انہوں نے ترک دنیا کر کے فقیری اختیار کی تھی - تقریباً بیس سال تک مفقود الخبر رہے - جس زمانے میں ان کے بیٹے سید ہدایت علی خاں عظیم آباد کے صوبہ دار تھے - یہ اپنے بیٹے سے ملنے کو عظیم آباد آئے اور ۱۱۵۵ھ میں یہیں انتقال کیا - ان کی قبر محلہ نون گولہ میں اس وقت تک موجود ہے - جس پر تاریخ وفات - مرقد اطہر سید شاہ علیم اللہ ۱۱۵۵ھ اور "ہو الحکیم الحفیظ" اور ع سال تاریخ وفاتش محو ذات ۱۱۵۵ھ - کندہ ہے
نواب سید غلام حسین خاں عظیم آبادی مولف تاریخ "سیر المتاخرین" سید ہدایت علی خاں ضمیر کے بیٹے تھے - علاوہ "سیر المتاخرین" کے جو تین جلدوں میں ہے - شرح مثنوی مولانا روم اور ایک مثنوی "بشارت الامامہ" بھی ان کی تصنیفات سے ہے - شاعری میں شیخ علی حزین کے شاگرد تھے - للمولف

دلی سے نکلکر چندے فیض آباد اور لکھنؤ میں مقیم رہے۔ بالآخر عظیم آباد میں آکر مستقل سکونت اختیار کی۔ راجہ شتاب رائے کے بیٹے اکثر سلوک کیا کرتے تھے اور ان کے اخراجات کے کفیل تھے۔ نواب علی ابراہیم خان لکھتے ہیں کہ "راقم سے تا تحریر تذکرہ ملاقات نہ ہوئی" سنہ ۱۱۹۶ھ میں حیات تھے۔ ایک دیوان غزلوں کا یادگار چھوڑا۔ مثنوی اور قصیدہ گوئی سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ میر حسن نے تذکرہ میں اس کا بھی اعتراف فرمایا ہے کہ:- (ترجمہ)

"میں نے اصلاح سخن میر ضیا سلمہ سے لی ہے"

اس (سلمہ) کے لفظ سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "تذکرہ میر حسن" کی تالیف کے وقت تک میر ضیا بقید حیات تھے۔ بہر حال اب ان کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

کل کی رسوائی تجھے کیا بس نہ تھی اے ننگ خلق
اوس کے کوچہ میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

رسوائیوں کی اپنے مجھے کچھ ہوس نہیں
ناصح پہ کیا کروں کہ مرا دل پہ بس نہیں

دل دیکھ اوس کی آنکھوں کو مدہوش ہوگیا
دو ہی پیالے پیکے یہ خاموش ہوگیا

کیوں گریباں دمبدم کرتا ہے اپنا چاک تو
ہاتھ سے تیرے ضیا کس گل کا دامن چھٹ گیا

کچھ کل سے بھی زیادہ ہے بیتاب آج تو
قاصد ضیا کو کیسی خبر آکے کہہ گیا

دیکھو اے دوستاں جیکا ضیا کیوں ہوگیا
مرگیا بیتاب ہو یا روتے روتے سو گیا

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا   ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

طپاں - شاہ نور الحق - شاہ عبد الحق رح کے صاحبزادے اور حضرت تاج العارفین پیر مجیب اللہ رح کے پوتے تھے ۱۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے - ۱۱۷۳ھ میں سجادہ عمادیہ (پھلواری) پر متمکن ہوئے - اورادو وظائف کے مختلف رسائل کے ماسوا فارسی کے دو کلیات ضخیم آپ کی تصانیف سے ہیں - ایک بیاض ضخیم اردو مراثی کی ہے - کلام اردو کا نمونہ یہ ہے ؎

عقل والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا   پیٹھ پھیرے ہوئے ہنستا ہے دوانہ تیرا[۵۱]

عاشق - خواجہ علی اعظم خاں خلف خواجہ محمدی خاں (رسالہ دار نواب قاسم علی خاں عالی جاہ) حضرت شاہ رکن الدین عشق رح عرف شاہ گھسیٹا رح کے مرید اور شاگرد تھے - نواب علی ابراہیم خاں سے بھی ربط تھا - آخر عمر میں ترک دنیا کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی - تقریباً ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا ؎

روز و شب یار سے ملا کیجئے   چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجئے

---

۵۱ مولف "یادگار عشق" لکھتے ہیں کہ "اسی مضمون کو حضرت شاد (عظیم آبادی) نے بھی نظم فرمایا ہے ؎

کہتے ہیں اہل ہوش جب افسانہ آپ کا   سنتا ہے اور ہنستا ہے دیوانہ آپ کا

مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر عاشق

المخاطب بہ انتظام الملک ممتاز الدولہ تہور جنگ ۔ قوم کایستھ سکسینہ ۔ خلف الرشید ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ وطن اصلی دہلی تھا ۔ ان کے والد نے حضرت شاہ عالم بادشاہ سے سند دیوانی حاصل ہونے کے بعد سے عظیم آباد میں اقامت اختیار کی ۔ اور کلکتہ میں سرکار کمپنی بہادر کی طرف سے خطاب مہاراجگی کے ساتھ منصب نظامت صوبہ بہار سے سرفراز ہوئے ۔ اگرچہ یہ بھی اپنے باپ ہی کے مانند مجمع کمالات تھے ۔ لیکن راحت طلب اور عیش پسند ہونے کے باعث اس خدمت جلیلہ پر اون کی جانشینی سے جی چرا کر صہبائے لعل رنگ اور معشوقان شوخ و شنگ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ۔ سوائے فکر شعر کے اور کسی دردسر کو مول نہ لیا ۔ جواں سال فرزند کنور دولت سنگھ بہادر نام ان کی حیات ہی میں قضا کر گیا تھا راجہ بھوپ سنگھ اسی کے نواسے تھے ۔

عاشق نے تہتر ۷۳ سال کی عمر میں ۱۲۳۸ھ میں انتقال کیا اور ۳ شوال کو کلکتہ میں لب دریا ان کی خاکستر فنا ہوئی ۔ ایک دیوان اور مثنوی مسمی بہ "زیبا" و "حبیب الیسر" اور مدح ائمہ اطہار علیہم السلام میں دس ہزار ابیات یادگار چھوڑے ۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

نالاں زغمِ فرقتِ مہ پارۂ خویشم — آوارۂ دشت از دلِ آوارۂ خویشم
با حسنِ پریزاد ندارم سروکارے — در آئینہ مشغول بہ نظارۂ خویشم
ساقی نبود حاجتِ من یا مئے نابت — بیخود ز نگاہ بتِ میخوارۂ خویشم

بچایا ہی جگر نے حشر کا ساشور پہلو میں — مگر دیکھا ہی یہ حال دل رنجور پہلو میں

عاصی۔ محمد علی خاں۔ خلف نواب ہدایت اللہ خاں دہلوی نبیرۂ عزت الدولہ شیر افگن خاں۔ ترک وطن کر کے عظیم آباد میں اقامت اختیار کی تھی۔ کتاب موسوم بہ "تالیف محمدی" جس میں ابتدائے خلقت سے جلوس شاہ عالم بادشاہ کے زمانے تک کی تاریخ بیان کی گئی ہی۔ ان کی تالیف سے تین جلدوں میں ہے۔ ؎

باز در عشق بتے دل شدہ شیدا چہ کنم — کار با سنگ دل افتاد خدایا چہ کنم

عزیز۔ عزیز اللہ۔ خلف ملا مبارک۔ جو نواب زیب النسا بیگم کے آخوند تھے۔ عظیم آباد میں قیام تھا۔ علم منطق میں بہت مہارت حاصل تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

ساقی خوش چشم مارا مونس مجلس کنید — از نگاہش بزم را گلدستۂ نرگس کنید

خورشید طشت آتش و خاکستر سمت صبح
گردوں تمام سوختہ ایں برق آہ کیست

شاہ رکن الدین عشقؔ

عشقؔ تخلص، شیخ رکن الدین نام۔ عرف شاہ گھسیٹا۔ وطن مالوف دہلی تھا۔ شیخ محمد کریم فاروقی کے بیٹے اور شاہ محمد فرہادؒ ابو العلائی کے نواسے تھے۔ بچپن سے عنفوان شباب تک دلّی میں رہے۔ قرین قیاس ہے کہ درّانیوں کی غارت گری اور قتل عام کے بعد دلّی میں ہلچل پڑجانے سے جس طرح اور بھی بہتیرے لوگ اپنا گھر اور وطن چھوڑ چھوڑ کر ادھر ادھر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ بھی دلّی سے نکل کر مرشد آباد پہونچے اور خواجہ محمدی خاں رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کی رفاقت اور ملازمت میں "ہزار سوار کی افسری کے منصب پر فائز ہوئے"۔

واضح ہو کہ میر قاسم علی خاں ۱۷۶۰ء مطابق ۱۱۷۴ھ میں مسند نظامت پر متمکن ہوئے۔ اور نواب علی ابراہیم خاں خلیلؔ عظیم آبادی[۱]

۱؎ نواب امین الدولہ عزیز الملک علی ابراہیم خاں بہادر نصیر جنگ المتخلص بہ خلیلؔ عظیم آبادی۔ مولف تذکرہ "گلزار ابراہیم" صوبہ بہار اور ہندوستان کی ادبی دنیا میں ایک خاص اہمیت رکھنے کے ساتھ تاریخی حیثیت سے بھی ممتاز شخصیت رکھتے ہیں۔ یہ نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کے وزیر باتدبیر تھے اور کچھ دنوں عظیم آباد کے صوبہ دار اور نائب ناظم بھی رہے ہیں۔ جیسا کہ اس تذکرہ کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔ چونکہ اس دور کے اکثر شعرا نواب

اور مرزا علی لطف وغیرہ اکثر تذکرہ نویس اس امر کے متعلق متفق ہیں کہ حضرت عشق موصوف "ایام شباب میں شاہجہاں آباد سے

(نوٹ بقیہ صفحہ ۳۲) علی ابراہیم خاں کے شناسا اور نواب قاسم علی خاں کے متوسلین میں تھے۔ اس لئے اس زمانے کے کچھ تاریخی حالات اس مقام پر بیان کردینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ ناظم بنگالہ نواب علی وردی خاں مہابت جنگ نے ۱۷۵۶ء مطابق ۱۱۶۹ھ میں انتقال کیا۔ اور ان کے نوجوان نواسے مرزا محمود عرف نواب سراج الدولہ مسند نظامت پر متمکن ہوئے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں ان کے قرابت مند نواب میر جعفر علی خاں کی ساز باز سے سراج الدولہ نے ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کے میدان میں انگریزوں سے شکست کھائی۔ اور بعد کو مارے گئے۔ جس کی تفصیل تواریخ میں موجود ہے۔ اس زمانے میں انگریز "ایسٹ انڈیا کمپنی" قائم کرکے ملک میں تجارتی کاروبار رکھتے تھے۔ پلاسی کی اس فتح سے ہندوستان میں برٹش سلطنت کی بنیاد پڑی۔

فی الجملہ اس فتح کے بعد ۲۵ جون ۱۷۵۷ء کو انگریزوں کی مدد سے میر جعفر ناظم بنگالہ مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں کچھ دنوں کے بعد شاہ عالم بادشاہ نے بنگالہ کی تسخیر کے ارادہ سے صوبہ بہار پر حملے شروع کردئے تھے اور عظیم آباد کا محاصرہ کیا تھا۔ شاہ عالم کی مدد کو خادم حسین حاکم پورنیہ چھ سات ہزار فوج

مرشد آباد آئے۔ اور خواجہ محمدی خاں کے ساتھ ایک مدت تک ایام حیات بعزت تمام بسر لائے" اس لئے "تذکرہ یادگار عشق" میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳) لیکر گنگا کے کنارے کنارے پٹنہ کے سامنے حاجی پور تک پہونچ گیا تھا۔ چنانچہ میر جعفر خاں کے بیٹے صادق علی خاں عرف میرن اور راجہ شتاب رائے فوج لیکر اوس کی مدافعت کو روانہ ہوئے۔ بارش کا موسم تھا۔ رات کو موسلا دھار پانی برس رہا تھا۔ میرن اپنے خیمہ میں چارپائی پر لیٹا ہوا۔ خدمتگار پاؤں چپی کر رہا تھا اور داستان گو کہانی کہہ رہا تھا کہ دفعتہً اوس خیمہ پر بجلی گری۔ اور یہ تینوں اوسی جگہ ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی دیر کے بعد جب پہرہ بدلا اور دوسرا خدمتگار آیا تو اوس نے ان تینوں کو مردہ پاکر چند خاص لوگوں کو اطلاع دی۔ دیکھا گیا تو میرن کے سر میں کئی جگہ سوراخ ہو گئے تھے۔ بہرحال انگریزوں نے ہوشیاری سے میرن کی موت کو فوج کے لوگوں سے چھپا رکھا۔ اور ایک ہاتھی پر میرن کی لاش کو رکھکر مرشد آباد روانہ کر دیا۔ میرن کے ظلموں کی داستان "سیر المتاخرین" کی جلد دوم صفحہ ۶۸۹ میں بالتفصیل مذکور ہے۔ اس مقام پر اوس کے اعادہ کی گنجائش نہیں ــ

میرن پر بجلی گرنے کے بعد۔ نواب میر قاسم علی خاں کو جو میر جعفر خاں کے داماد تھے۔ ناظم بنگالہ ہونے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ میر جعفر کی بد نظمیوں سے فوج کی تنخواہیں مہینوں سے باقی چلی آتی تھیں۔ میر قاسم علی خاں نے تین لاکھ روپے

جو حضرت عشقؔ کی عمر سو برس قرار دیکر ان کا سال ولادت ۱۱۰۳ھ متعین کیا گیا ہے وہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴) اپنے پاس سے دیگر سب کی تنخواہیں ادا کر دیں۔ اور کلکتہ جاکر انگریزوں کو اپنا طرفدار بنایا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ میر جعفر کو اتار کر میر قاسم علی خاں مسند نظامت پر متمکن ہوں۔ چنانچہ میر قاسم کلکتہ سے مرشد آباد کو روانہ ہوئے تو اپنے وزیر علی ابراہیم خاں کو لکھ بھیجا کہ فوج تیار رکھے۔ وزیر موصوف نے اپنی سلیقہ شعاری اور کارگزاری سے اُمید سے بڑھکر بندوبست کیا۔ میر جعفر معزول اور میر قاسم علی خاں ناظم بنگالہ ہوئے۔ بادشاہ کی طرف سے بھی "عالی جاہ" کا خطاب عطا ہوا۔ یہ سنہ ۱۷۶۰ء کا واقعہ ہے۔

میر قاسم نے ابتدا میں بہت بیدار مغزی سے کام لیا۔ اور اسی کے ساتھ علی وردی خاں اور میر جعفر وغیرہ کی تمام محلات کے لاکھوں روپیے کے زیورات و جواہرات بھی اپنے قبضہ میں کر لئے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں ان کی انگریزوں سے بگڑی۔ میر جعفر کو آسانی کے ساتھ معزول کر دینے میں انگریزوں کو اپنی طاقت کی آزمائش ہو چکی تھی۔ انہوں نے پھر میر جعفر کو مسند نظامت پر متمکن کیا۔ نوبت بہ جنگ پہونچی۔ میر قاسم نے مونگیر کو اپنا دار السلطنت قرار دیا تھا۔ جب انگریزی فوجیں مرشد آباد سے مونگیر کی طرف روانہ ہوئیں تو میر قاسم نے مونگیر سے بھاگتے وقت اپنے تمام قیدیوں کو جن میں اوس کے بعض عزیز اور

میر قاسم علی خاں کی فوج میں ان کی ملازمت ۱۱۷۴ھ (یعنی میر قاسم علی خاں کے سال مسند نشینی) سے پیشتر واقع نہیں ہو سکتی اور اگر ۱۱۰۳ھ سال ولادت صحیح سمجھا جائے تو اس حساب سے ان کا سن اسوقت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۵) نامور شرفا تھے سب کو قتل کر دیا۔ اور راجہ رام نرائن کے گلے میں مٹکا ریت سے بھر کر لٹکایا اور گنگا میں ڈبوایا۔ اس کے بعد پٹنہ آئے اور یہاں دو سو انگریزوں کو جو ان کی قید میں تھے سب کو قتل کر دیا۔ یہ ۳؍ اکتوبر ۱۷۶۳ء کا واقعہ ہے۔

اس کے فوراً ہی بعد ۶؍ نومبر ۱۷۶۳ء کو انگریزی فوج نے پٹنہ پہونچکر میر قاسم کو شکست دی۔ اس شکست کے ساتھ ہی میر قاسم کے اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔ یہاں سے بھاگتے ہوئے جب میر قاسم صوبہ بہار کی آخری سرحد کرم ناسہ ندی کے پار ہوئے اوس وقت شاہ عالم بادشاہ اور نواب شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ الہ آباد میں تھے۔ شجاع الدولہ بہت منچلے واقع ہوئے تھے۔ میر قاسم سے خط وکتابت پہلے سے ہو رہی تھی۔ بالاخر اس شرط پر کہ آج کی تاریخ سے گیارہ لاکھ روپیہ ماہوار میر قاسم بطور خرچہ جنگ دینا منظور کریں۔ شجاع الدولہ نے شاہ عالم اور میر قاسم کو ساتھ لیکر پھر صوبہ بہار پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ ۱۳؍ جون ۱۷۶۴ء کو پٹنہ کے قریب انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جس میں شجاع الدولہ کو شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد شجاع الدولہ نے بکسر میں پھر حملہ کی

یعنی ۱۷۶۴ھ میں اکہتر سال قرار پاتا ہے۔ پس یہ امر کسقدر خلاف قیاس ہے کہ ایک ستر بہتر برس کے بوڑھے کو جس نے عمر بھر میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶) تیاریاں شروع کیں۔ اور برسات نکل جانے کے بعد ۲۲ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو دوبارہ بکسر میں جنگ ہوئی۔ جس میں پھر شجاع الدولہ کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں شجاع الدولہ نے ہوشیاری اور پیش بندی سے عقب میں ندی کا پل توڑ دیا تھا۔ جس سے میر قاسم کا خزانہ اور دو تین کروڑ کی قیمت کے جواہرات اور زیورات لٹ جانے سے بچا لیا۔

فی الجملہ اس شکست کے بعد شجاع الدولہ نے گیارہ لاکھ روپئے ماہوار کے حساب سے خرچہ جنگ کا میر قاسم علی خاں سے مطالبہ شروع کیا۔ جس کے جواب میں ان کے وزیر علی ابراہیم خاں نے نواب موصوف سے استدعا کی کہ میر قاسم کو مرشد آباد جاکر روپئے وصول کرنے کی اجازت دی جائے۔ مگر یہ درخواست نامنظور ہوئی پھر شجاع الدولہ نے بادشاہ کی طرف سے نظامت بنگالہ کے خراج کے بقایا کا تقاضا شروع کیا۔ پھر علی ابراہیم خاں اس گفتگو کے لئے بھیجے گئے کہ اب مجھے مقدور نہیں ہے قصہ مختصر یہ رنگ دیکھکر علی ابراہیم خاں نے میر قاسم کو صلاح دی کہ یا تو زر مطلوبہ ادا کیا جائے یا درویشی کا سانگ بھرا جائے۔ روپیہ دینا تو مشکل تھا۔ بالآخر علی ابراہیم خاں کی صلاح سے میر قاسم اور کل ملازموں نے گیروے کپڑے پہنکر فقیرانہ وضع اختیار کی۔ تو خود نواب معہ وزیر میر قاسم کے پاس آئے اور سمجھا کر لباس

کبھی فوجی خدمت نہ کی ہو۔ اور نہ اوس کے آبا و اجداد نے اوس کو اوس کے لائق کوئی خدمت نہ دیکر۔ سپاہیوں کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) درویشی اُتروایا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ کے لشکر نے میر قاسم کے خیموں کا محاصرہ کر لیا۔ اور میر قاسم کو ایک ہاتھی پر بٹھا کر کسی جائے معہود میں قید کر دیا۔ اور کل جواہرات اور زیورات وغیرہ کروروں روپیے کے اپنے قبضے میں کر لئے۔ تاہم میر قاسم نے پہلے سے کچھ جواہرات قیمتی اُڑا کر روہیل کھنڈ کی طرف بھیج دیئے تھے۔ جو شجاع الدولہ کی دست برد سے محفوظ رہے۔ یہ ۱۷۶۴-۶۵ء کے واقعات ہیں۔

انگریزوں نے اس فتح کے بعد ہرچند چاہا کہ میر قاسم کو اون کے حوالے کر دیا جائے مگر شجاع الدولہ نے اس شرط کو کسی طرح منظور نہ کیا۔ اور اس کے بعد میر قاسم کسی طرح شجاع الدولہ کی قید سے نکل کر کسی اور جگہ پناہ گزیں ہو گیا۔ اور ادھر اودھر مارے پھرنے کے بعد۔ بہ حالت غربت وعسرت اس دنیا سے انتقال کیا۔ اسباب میں ایک پرانی شال رہ گئی تھی جس کو بیچکر اس کی تجہیز وتکفین کی گئی۔ مگر علی ابراہیم خاں کے تعلقات اور آمد ورفت عظیم آباد اور مرشد آباد میں بدستور جاری رہی۔ حتیٰ کہ لارڈ ہسٹنگ گورنر جنرل نے ان کو عدالت دیوانی ضلع بنارس کا حاکم اعلیٰ مقرر کر دیا اور لارڈ کارنوالس کے عہد میں یہ وہاں کے گورنر بھی رہے۔

اس قیام بنارس کے زمانے میں یہ سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر تالیف و

زمرہ میں نوکر رکھا جائے۔ اور ایک ہزار سوار کی افسری کے ساتھ فوجی خدمت پر مامور کیا جائے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸) تصنیف میں مصروف ہوئے۔ ان کی ادبی و تاریخی تالیفات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ "گلزار ابراہیم" شعرائے ریختہ کا تذکرہ ہے۔ اس کی تالیف ۱۱۹۸ھ سے شروع ہوئی اور ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء میں اس کی تسوید سے فراغت ہوئی۔

۲۔ "صحف ابراہیم" شعرائے فارسی کا تذکرہ ہے۔ ۱۲۰۵ھ میں مرتب ہوا جیسا کہ اس تاریخ سے ظاہر ہے ؎

چو تاریخ اتمام جستم ز ہاتف   بگفتا بگو" نفع بخش زمانہ"
۱۲۰۵ھ

۳۔ "خلاصۃ الکلام" اون فارسی شعرا کا تذکرہ جنہوں نے مثنویاں لکھی ہیں

۴۔ "وقائع جنگ مرہٹہ" لارڈ کارنوالس کے عہد میں ۱۲۰۱ھ میں لکھا گیا۔ اس میں ۱۱۷۱ھ سے ۱۱۹۹ھ تک کے حالات ہیں۔

۵۔ ایک رسالہ میں راجہ چیت سنگھ والی بنارس کی بغاوت کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں مصنف نے اپنے کو "یکے از خیر خواہاں کمپنی انگریزم" لکھا ہے۔

۶۔ "خطوط" جو برٹش میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اور جن سے اوس زمانے کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

علی ابراہیم خاں موصوف ابن خواجہ عبدالحکیم نے ۱۲۰۸ھ میں انتقال کیا

راقم الحروف کے نزدیک صحیح بات وہی ہے جو مرزا علی لطف نے "گلشن ہند" میں صاف طور پہ لکھ دی ہے کہ:۔

"خواجہ محمدی خاں مرحوم کے ساتھ ایک مدت تک لباس"
"دنیا داری میں ایام حیات بعزت تمام بسر لائے ۔ اگرچہ"
"نہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے ۔ لیکن آنکھوں میں امرایان"
"مرشد آباد کے نہایت احترام رکھتے تھے"

مصحفی نے بھی اپنے تذکرہ میں یہی لکھا ہے کہ "بہت عزت اور حرمت کے ساتھ بسر کرتے ہیں" اور تذکرہ میر حسن میں "نوکری پیشہ" لکھا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سپاہیوں کے زمرہ میں نوکر تھے۔ یہ ممکن ہے کہ ایام شباب میں وضع و قطع سپاہیانہ رکھتے ہوں۔ چنانچہ مولانا شاہ محمد کبیر صاحب ابو العلائی داناپوری بھی تاریخ تذکرۃ الکرام میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۹) خلیل تخلص کرتے تھے۔ ان کا اردو کلام اب نایاب ہے۔ یہ چار شعر بہت تلاش سے دستیاب ہوئے جو ہدیہ ناظرین ہیں ؎

خلش رکھتا ہے جب سے دل مرا یوں خار پہلو میں
ہوا رکھتا ہے اس دشمن کا کیا دشوار پہلو میں

دل پر درد ہو جس کا اسے آرام کیا ہووے
یہ سچ ہے کیونکہ سوئے جس کے ہو بیمار پہلو میں

لہو رونے سے میرے تر ہوا جیب و کنار آخر
خلیل آنکھوں کے ہاتھوں ہو گیا گلزار پہلو میں

اڑ گئے کچھ حواس سے میرے
اٹھ گیا کون پاس سے میرے

یوں فرماتے ہیں :۔

"آپ (حضرت عشقؔ موصوف) ابتدا میں نوکری پیشہ"
"بہ وضع سپاہیوں کے تھے"۔

فی الجملہ ایک مدت تک خواجہ محمدی خاں کی رفاقت میں بسر کرنے کے بعد عشق موصوف اپنے بزرگوں کی روش کے مطابق فقر و درویشی کی طرف مائل ہوئے۔ اور ترک ملازمت کے ساتھ فضل الٰہی پر تکیہ کر کے عظیم آباد چلے آئے۔ اور حضرت مخدوم منعم پاکؒ (جن کا مزار محلہ میتن گھاٹ میں ہے) کی خدمت سے مستفیض ہو کر بقیہ عمر یاد الٰہی اور خدمت خلق میں بسر کر دی۔ ۱۲۰۳ھ میں اس جہان فانی سے رحلت کی۔ حسب روایت تذکرۃ الصالحین و رسالہ معارف پھلواری ۶۶ سال کی عمر پائی۔ اگرچہ مختلف روایات کی موجودگی میں صحیح عمر کا متعین کرنا اسقدر آسان نہیں ہے۔ تاہم اس کے تسلیم کرنے میں قباحت لازم نہیں آتی۔ آپ کے شاگرد رشید مرزا فدوی نے یہ تاریخ کہی ؎

شور و اویلا فتاد اندر جہاں — چو اجل آمد سر بالین عشقؔ
گفت فدوی سال تاریخ وفات — ہادی ما شاہ رکن الدین عشقؔ

کسی مستند تذکرہ میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ ٹھیک کس سنہ میں

حضرت عشق نے ترک ملازمت اختیار کی اور عظیم آباد میں آکر طرح اقامت ڈالی اور فقر تصوف کا سجادہ قائم کیا۔ لیکن نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کی مسند نشینی یعنی ۱۱۷۴ھ کو پیش نظر رکھکر اگر خواجہ محمدی خاں کی رفاقت میں ان کی مدت ملازمت تقریباً چند سال بھی قرار دی جائے تو یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ ۱۱۷۴ھ یا اس سے چند سال بعد حضرت عشق عظیم آباد میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ غرض کسی طرح یہ واقعہ ۱۱۷۴ھ سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔

لیکن تذکرہ "یادگار عشق" میں (جس کو ہمارے ایک مخلص ثاقب عظیم آبادی نے حضرت عشق کے حالات کے متعلق حال میں شائع کیا ہے) "کیفیت العارفین" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۶۲ھ کا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً ناممکن ہے۔ کیونکہ حضرت عشق کا عظیم آباد میں آنا نواب قاسم علی خاں کی ملازمت سے کنارہ کش ہو جانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ نواب قاسم علی خاں کا عہد نظامت اس کے بارہ برس کے بعد ۱۱۷۴ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اور ترک ملازمت کا واقعہ لامحالہ اس کے بعد کا ہے۔ اور عظیم آباد میں آنا اس ترک ملازمت کے بعد ہے۔ ۱۱۶۲ھ میں نواب علی وردی خاں مہابت جنگ کا دور حکومت تھا۔ اس وقت

میر قاسم تو در کنار۔ ان کے پیش رو میر جعفر اور نواب سراج الدولہ بھی میدان میں نہ آئے تھے۔

اسی طرح اس کتاب میں دوسرے مقام پر مرزا فدوی کی نسبت جو احمد شاہ بادشاہ دہلی کے وقائع نویس اور حضرت عشق کے مرید اور شاگرد رشید تھے۔ یہ لکھا ہے کہ "یہ بھی مرشد آباد سے حضرت عشق کے ساتھ ۱۱۶۲ھ میں عظیم آباد آگئے اور پھر یہیں کے ہو رہے"۔ حالانکہ اس وقت تک مرزا فدوی کا دلی سے مرشد آباد آنا بھی کسی تذکرہ سے مستند طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر مرزا فدوی احمد شاہ بادشاہ کی وقائع نویسی پر مامور تھے جیسا کہ تذکرہ "گلشن بے خار" وغیرہ میں مذکور ہے۔ تو اس وقت (۱۱۶۲ھ میں) محمد شاہ بادشاہ کے انتقال اور احمد شاہ کے جلوس کو صرف چند ماہ گذرے تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ احمد شاہ کی تخت نشینی کے کتنے دنوں کے بعد یہ اس خدمت پر مامور ہوئے۔ اور کتنے دنوں تک ملازمت میں رہے اور کتنے دنوں کے بعد دلی سے مرشد آباد آئے۔

فی الجملہ اس مقام پر مولف "یادگار عشق" کو جو اس فقیر سے خلوص رکھتے ہیں کوئی اعتراض کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ یہ مقصد ہے کہ اون کی یہ تالیف بالکل غیر مستند روایات پر مبنی ہے۔ بلکہ فقیر کے

علم ہیں مولف موصوف نے جہاں تک ممکن تھا تحقیق و تفتیش میں سعی بلیغ سے کام لیا ہے۔ اور مختلف تذکروں سے استناد کی کوشش کی ہے۔ اور جو لکھا ہے اوس کی سند بھی بیان کردی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض قدیم تذکرہ نویس موجودہ زمانے کے فن تحقیق و تدقیق سے جس کو انگریزی میں "ریسرچ" کہتے ہیں۔ عموماً نابلد اور بے پروا نظر آتے ہیں۔ انھوں نے جو روایت پائی اپنی خوش اعتقادی میں بلا تحقیق درج کردی چھان بین اور ردّ و قدح کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن ایک مستند مورخ اور تذکرہ نویس کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر روایت کو تاریخی اسناد اور دیگر متعلقہ واقعات سے مطابق کرکے دیکھے۔ اور غیر مستند اور بے بنیاد روایات و حکایات کا مشکوک یا خلاف واقع ہونا ظاہر کردے۔ تاکہ ارباب نظر کے نزدیک خود غیر معتبر نہ ٹھہرے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ حضرت عشقؔ موصوف کے عظیم آباد آنے اور اقامت گزیں ہونے کے متعلق صحیح طور پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۷۰ھ یا اس کے بعد کا ہے۔ اور اس طرح کم و بیش تقریباً پچیس چھبیس سال تک اس دیار میں آپ کا فیض سخن اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عالم میں بھی عظیم آباد۔ مرشد آباد اور ڈھاکہ وغیرہ سے طالبان راہ عشق پروانوں کی طرح اس شمع کے

گرد جمع ہونے لگے - بقول مولف "گلزار ابراہیم"

"معتقدین کے ہجوم سے عالم درویشی میں شاہی کی"

بعض معتقدین نے بعد کو کچھ جائداد بھی تقریبات عرس وغیرہ کے لئے وقف کی تھیں - اور آپ کا تکیہ اس وقت تک مرجع خلائق ہے

دیوان آپ کا زبان ریختہ میں مرتب ہے - بقول مولوی کریم الدین مولف تذکرہ "طبقات الشعرا" آپ کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ پیرس میں "گارسن دی تاسی"[۵] کے پاس موجود تھا - ایک قلمی نسخہ آپ کی خانقاہ تکیہ حضرت عشق میں بھی موجود ہے - اور خانقاہ پھلواری کے

[۵] "گارسن دی تاسی" ملک فرانس کا رہنے والا ایک مشہور مستشرق اور زبان داں گذرا ہے - اس نے فرنچ زبان میں شعرائے اُردو کا ایک ضخیم تذکرہ دو جلدوں میں لکھا ہے - جس کا نام "تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر" ہے مسٹر اف فیلن صاحب انسپکٹر تعلیمات عامہ صوبہ بہار نے مولوی کریم الدین کو اس کتاب کا مسٹریل دیا تھا جس کی مدد سے انہوں نے ایک تذکرہ "طبقات الشعرا" مرتب کیا جو ۱۸۴۵ء میں دلّی میں چھپا -

"دی تاسی" نے اپنے تذکرہ کے مقدمہ میں تقریباً ان تمام تذکروں کی فہرست دی ہے جو ہندوستان میں اس کے پیشتر لکھے جا چکے تھے - مولوی محفوظ الحق صاحب بی - اے نے اس مقدمہ کا ترجمہ کیا ہے جس کا اقتباس ستمبر ۱۹۲۲ء کے رسالہ معارف میں شائع ہوا تھا -

کتب خانے میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے۔

دیوان ریختہ کے علاوہ جو تقریباً آٹھ سو غزلوں پچھتر رباعیوں مثنویوں اور تضمینوں پر مشتمل ہے۔ تصوف میں چند قلمی رسالے موسوم بہ "امواج البحار" "سلطان العشق" اور "تعلیم الخلفاء" وغیرہ بھی ان کی تصانیف سے ہیں۔

زمانہ کے اعتبار سے آپ۔ مرزا مظہر جانِ جاناں۔ خواجہ میر دردؔ اور میر تقی میرؔ کے ہم عصر اور اکثر غزلوں میں ہم طرح بھی ہیں۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ حضرت شادؔ عظیم آبادی نے "تاریخ صوبہ بہار" اور پھر مکرر "حیات فریاد" میں جو ایک بے بنیاد بات یہ لکھدی ہے کہ حضرت عشقؔ کو راسخؔ عظیم آبادی سے تلمذ تھا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور یہ امر قطعاً ناممکن بھی ہے۔ راسخؔ عظیم آبادی سنہ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے سن شعور سے پیشتر حضرت عشقؔ بجائے خود کہنہ مشق صاحب دیوان صاحب تلامذہ اور مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ تذکرہ مصحفیؔ و میر حسنؔ وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔ لیکن اس بحث کو اب زیادہ طول دینا چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ مولف "یادگار عشق" نے راسخؔ کی شاگردی کے متعلق بہت واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ امر قطعاً غلط اور ناممکن ہے۔ بغرض یہ ایک ایسی غلط بات ہے کہ اس کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔

بہرحال اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو ۔

بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے   جوں تا بداں میں شیشۂ رنگیں بھرے ہوئے

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سئے ہے   یہ عاشقِ جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

عرش تا فرش سیر کر دیکھا   تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

تجھ سے کوئی آشنا نہ ہوا ہو   پہ تجھے سب سے آشنا دیکھا

بے وفائی تیری دل دیکھ کے اے وعدہ خلاف   عشق بازی میں پشیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

تا جان نہ ہوئی عدولِ حکمی   تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

آگے میاں نصیب ہے سر سبز ہو نہ ہو   دل کی زمیں میں تخمِ محبت تو بو دیا

چین ہی اس دلِ بیتاب کا منظور نہ تھا   ورنہ آنا ترا مجھ پاس تو کچھ دور نہ تھا

جب تلک اشک تمھیں بیٹھ اگر آیا ہے   تیری صورت نہیں آتی ہے نظر رونے میں

کہہ بعد قتل مجکو کس طرح چین آوے

جو حسرتیں تھیں دل میں سو جوں کی توں ہیں ہیں

روز و شب تجھ سے گو ملا کیجے   چین پھر بھی نہ ہو تو کیا کیجے

مہربانی کرو تو عیب نہیں   کام تو اب پیام سے گذرا

بجلی پڑے خدا کرے آئینہ ساز پر   منہ دیکھ اپنا ہم سے وہ بیزار ہو گیا

جس طرف عشق باز آتے ہیں   پھر ادھر سے نہ باز آتے ہیں

آنکھیں پتھرا گئیں ہیں آئینہ وار   کیا لکھوں انتظار کی صورت

زلف نے جبکے تیئں دکھائی شام   پھر اوسے دوسری نہ آئی شام

داغِ دل کا تو کبھی ہم سے مٹایا نہ گیا   یہ دیا وہ ہے جو دن کو بھی بجھایا نہ گیا

عشقی۔ شیخ محمد وجیہہ الدین ابن شیخ غلام حسین مجرم تخلص متوطن عظیم آباد۔ فارسی انشاپردازی میں یگانہ روزگار تھے۔ مرزا غالب کے بعض خطوط میں بھی ان کا مذکور ہے۔ دس برس ضلع اناوہ میں بعہدہ تحصیلداری مامور رہے۔ پھر ترک روزگار کرکے کچھ دنوں ڈھاکہ میں (جہاں ان کے والد مقیم تھے) رہکر عظیم آباد واپس آئے۔ لیکن ۱۲۱۶؁ف میں پھر ڈھاکہ کی راہ لی اور ایسے گئے کہ پھر واپس نہ آئے وہیں انتقال کیا۔ ۱۲۲۳؁ف[۵۱] میں حیات تھے۔ اس دیار کے اکثر شعرا ان کے شاگرد تھے۔ اصناف سخن میں ایک دیوان[۵۲]۔ اور مثنوی اور ایک تذکرہ شعرائے ریختہ کا یادگار چھوڑا۔ تذکرہ "گارسن دی تاسی" تمام تر اسی تذکرہ عشقی سے ماخوذ ہے۔

نہ بدل قرار و صبرے نہ وفاست یار خودرا | بہ کجا برم الٰہی دل بے قرار خودرا
زجفائے دست عشقی سر شکوہ باندارم | کہ بدست او سپردم ہمہ اختیار خودرا

غریب۔ میر محمد تقی۔ نواب میر قاسم علیخاں عالی جاہ کی سرکار سے متمسک تھے۔

الٰہی مت کسی کے پیش دردِ انتظار آوے | ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک کہ یار آوے

قدوی تخلص۔ مرزا محمد علی نام عرف مرزا بھجو۔ دہلی کے رہنے والے احمد شاہ بادشاہ کے یہاں وقائع نویسی کے عہدہ پر مامور تھے۔ فن موسیقی میں بھی ید طولی رکھتے تھے۔ غالباً احمد شاہ کے مکحول کئے جانیکے بعد یہ بھی دلی سے نکلے۔ کچھ دنوں مرشد آباد میں قیام رہا۔ پھر ۱۱۹۰؁ھ[۵۳] میں عظیم آباد میں آکر مستقل سکونت اختیار کی اور حضرت عشق کے فیض صحبت سے کامیاب علوم ظاہرو

---

[۵۱] تذکرہ "نشتر عشق" آغا حسین قلی خاں عاشقی عظیم آبادی تلمیذ عشقی (مولفہ ۱۲۳۳؁ھ)

[۵۲] تذکرہ "روز روشن" تذکرہ عشقی۔ [۵۳] گلزار ابراہیم۔ تذکرہ قدوی۔

باطن ہو کر بقیہ عمر یادِ الٰہی اور گوشۂ عزلت میں بسر کر دی ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔

تذکرہ "میر حسن" و "گلشن بے خار" بھی ان کے شیریں کلام اور صاحب دل ہونے کے وصف میں رطب اللساں ہیں۔ نواب علی ابراہیم خاں نے بھی اپنا آشنا بیان کیا ہو اور لکھا ہو کہ اپنے اشعار تذکرہ میں درج کرنے کے لئے بھیجے ہیں

دیوان ان کا زبان ریختہ میں مرتب ہو۔ مگر اب بہت کم یاب بلکہ نایاب ہو۔ مولوی سید ضمیر الحسن صاحب رئیس موضع گیلانی مضافات بہار کے کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہو۔ اب ان کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو

دل تڑپتا ہو صبح و شام پڑا
یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا
ناتوانی مدد کرے اپنی
تیرے در پر رہوں مدام پڑا

کیوں کی اودھر نگاہ جو وہ مجکو پا گیا
دل پہ ہوئی جو ہونی تھی آنکھوں کا کیا گیا
بے خودی اور شرم سے باتوں کا کس میں ہوش تھا
وہ اودھر خاموش تھا کل میں اودھر خاموش تھا

ہر طرح ہم اوس کے ہیں دل و جان سے قدوی
وہ خواہ ہمیں یاد کرے خواہ فراموش

وہ ہم پہ مہرباں کبھی ہو کبھی نہیں
جینے کا اب گمان کبھی ہے کبھی نہیں

پھرتے تھے تم تو آنکھ بچائے چھپے چھپے نکلا کدھر ہو چاند جو آئے چھپے چھپے

تری ہم نے تاثیر بس آہ دیکھی نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

غلط ہو دیدۂ تر سے جو ہم چشمی کرے شبنم مرا رونا اگر دیکھے ابھی پانی بھرے شبنم

چل ساتھ کہ حسرت دل مرحوم سے نکلے عاشق کا جنازہ ہو ذرا دھوم سے نکلے

دوسرا مصرع اکثر موقعوں پر آج تک زبان زد خاص وعام ہو

فراق - مرتضیٰ قلی خاں دلّی کے قدیم اساتذہ میں ہیں۔ عہد محمد شاہی میں ملازم توپ خانہ تھے۔ نواب محمد علی وردی خاں مہابت جنگ کے زمانے میں مرشد آباد آکر عہدہ مالی پر ممتاز ہوئے۔ اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ آخر باقی زر سرکار کے محاسبہ میں گرفتار ہوکر عظیم آباد میں مہاراجہ شتاب راے کی قید میں ڈالے گئے۔ ہنوز اس قید سے چھوٹنے نہ پائے تھے کہ قید حیات ہی سے رہائی حاصل ہو گئی۔ **سودا** کے معاصر تھے ۵

اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں کوئی ان ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہو

لالہ رام چند **فرحت**

متوطن عظیم آباد۔ محلہ عالم گنج۔ فارسی کے نہایت پرگو اور باکمال شاعر تھے۔ مشہور قصہ حاتم طائی کو فارسی میں نظم کیا تھا جسکی دو جلدیں ہیں۔ اور دونوں میں حمد و نعت کو صنعت ذوالبحرین میں

لکھکر کمال شاعری کا نمونہ دکھایا ہے۔ جلد اول میں حضرت شیخ سعدیؒ شیرازی کی مدح بھی ذو البحرین اور سہ بحری اور چہار بحری اشعار میں لکھی ہے۔ چنانچہ چہار بحری اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

قطرۂ از جود تو جود کثیر ذرّۂ از خوے تو مہر منیر

اس مثنوی کو مصنف نے ۱۱۸۸ھ میں تمام کیا تھا۔ چنانچہ خود ہی اس کی تاریخ بھی کس خوبی کے ساتھ نظم کی ہے ؎

سال اتمامش چو دل از عقل خواست کرد دو انگشت خم دیگر دو راست
۸۸ ۱۱ھ

دو انگلیاں خم کرنے سے دو آٹھ (۸۸) کی شکل پیدا ہو جاتی ہے اور دو انگلیاں سیدھی دو الف کے مانند ہیں یعنی (۱۱) جس سے ۱۱۸۸ ہوئے۔

پہلی جلد کا نام "گنج شائگاں" اور دوسری موسوم بہ "گنج باد آورد" ہے۔ اور اس میں حاتم کے وہ قصے بھی ہیں جو موجودہ قصہ حاتم طائی یعنی "آرائش محفل" میں نہیں بیان کئے گئے ہیں۔ فرحتؔ کی یہ دونوں مثنویاں اب نایاب ہیں۔ ان دونوں کے قلمی نسخے مولانا شوقؔ نیموی[۱] مرحوم کے چچا منشی شیخ سعادت علی[۲] مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے۔ مولانا شوق نیموی کے

[۱] ان کا تذکرہ اردو شعرا کے چوتھے دور میں آتا ہے۔

[۲] منشی شیخ سعادت علی کی تاریخ پیدائش ۱۲۴۳ھ "یادگار وطن" از مولانا شوق نیموی صفحہ ۳۵

کتب خانے میں موجود تھے ممکن ہے کہ موضع نیمی میں اس وقت تک محفوظ ہوں۔

مرزا معز موسوی خاں فطرت

ولد مرزا فخر ابراہیم متوطن صفاہاں ملک ایران۔ ۱۰۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۸۲ھ میں ہندوستان آئے۔ اورنگ زیب کا زمانہ تھا صوبہ عظیم آباد کی دیوانی پر مامور ہوئے۔ لیکن ناظم پٹنہ امید خاں جانشین امیرالامرا شائستہ خاں کے ساتھ پٹری نہ بیٹھی۔ دونوں کو صاحب اقتدار ہونے کا غرہ تھا۔ بالآخر بادشاہ کے حسب طلب دہلی گئے اور ۱۰۹۹ھ میں خطاب "موسوی خاں" سے سرفراز ہو کر ایک سال کے بعد مجموع ممالک دکن کی دیوانی پر ممتاز ہوئے۔ ۱۱۰۱ھ میں دکن میں انتقال کیا دیوان فارسی کا متداول ہے۔ شعرائے عظیم آباد میں میر محمد ہاشم۔ مضمون وغیرہ ان کے فیض تلمذ سے بہرہ مند تھے۔ اُردو میں بھی یہ شعر انہیں کی طرف منسوب ہے؎

از زلف سیاہ تو بدل دوم پری ہے ٭ در گلشن آئینہ گھٹا جوم پری ہے
(دھوم پڑی ہا) (گھٹا جھوم پڑی)

اشرف علی خاں فغاں

فغاں تخلص۔ اشرف علی خاں نام۔ ابن مرزا علی خاں۔ احمد شاہ

بادشاہ کے کوکہ تھے۔ حاضر جوابی اور لطیفہ گوئی میں طاق۔ ظرافت اور بذلہ سنجی میں شہرہ آفاق۔ بادشاہ نے ظریف الملک کوکہ خاں کا خطاب دے رکھا تھا۔ شعر گوئی کا شوق ابتدائے عمر سے تھا۔ فارسی میں قزلباش خاں اُمید سے اصلاح لی۔ اور ریختہ میں علی قلی ندیم کے شاگرد تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں   دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہوئے گا

اس زمانے میں احمد شاہ درانی کے حملوں نے ہندوستان میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ دلّی میں دربار کا رنگ بیرنگ دیکھکر یہ مرشد آباد میں اپنے چچا ایرج خاں کے پاس چلے آئے۔ یہاں رنگ نہ جما تو فیض آباد کا رخ کیا۔ والی اودھ نواب شجاع الدولہ نے اعزاز و اکرام سے لیا۔ مگر ایک روز جوش اختلاط میں گرم پیسے سے ان کا ہاتھ جلا ڈالا۔ یہ نازک مزاج اور دل جلے تو تھے ہی۔ جل کر عظیم آباد چلے آئے۔ یہاں مہاراجہ شتاب رائے[1] ایک ایسا قدرداں مل گیا۔

[1] مہاراجہ شتاب رائے عظیم آباد کا نائب صوبہ اور مرشد آباد کا نائب دیوان تھا۔ جس وقت شاہ عالم نے عظیم آباد کا محاصرہ کیا تھا تو میرن کے حکم سے شتاب رائے نے ڈاکٹر فلرٹن کی معیت میں عظیم آباد کو بہت جوانمردی سے بچایا۔ اور خادم حسین حاکم پورنیہ کے لشکر کو بھی شکست دی

کہ پھر یہ عظیم آباد سے کہیں نہ گئے۔ اپنی خوش لیاقتی اور حسن تدبیر سے اوس زمانے میں انگریز حکام سے بھی رسائی پیدا کی اور باقی عمر خوش حالی سے بسر کرکے ۱۱۸۶ھ میں یہیں انتقال کیا اور یہیں مدفون ہوئے۔ ان کی قبر محلہ دھوبپورہ میں شیر شاہی مسجد کے صحن سے متصل اوترجانب قبرستان میں موجود ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳) اس کے بعد ۹ مئی ۱۷۶۵ء کو جب شجاع الدولہ انگریزوں سے شکست کھاکر صلح پر آمادہ ہوا تو شتاب رائے ہی کی وساطت سے جنرل کارناک سے مراتب صلح طے پائے۔ جس کے رو سے اودھ کا ملک شجاع الدولہ کے قبضہ میں بہ دستور باقی رہا۔ اور میر قاسم کی حوالگی کے مطالبہ سے انگریز دست بردار ہوگئے۔ اسی صلح نامہ کو لارڈ کلایو نے بھی منظور کیا۔ اور اسی سال شاہ عالم نے انگریزوں کو ۲۶ لاکھ روپیے سالانہ خراج پر بنگال بہار اور اڑیسہ کی دیوانی عطا کی۔

اس کے بعد ۱۷۷۲ء میں جب نن کمار کی سازش سے محمد رضا خاں دیوان و نائب ناظم گرفتار ہوکر کلکتہ بھیجے گئے تو اون کے ساتھ شتاب رائے بھی بہ حیثیت نائب دیوان عظیم آباد میں گرفتار کیے گئے اور اون کے ساتھ دو برس تک بغیر ثبوت جرم و تحقیقات

قبر کے پتھر پر حکیم ابوالحسن مقتوںؔ کی کہی ہوئی یہ تاریخ انتقال کندہ ہے ؎

کوکہ خاں آں بہار باغ سخن　　سوئے خلد بریں ز دنیا رفت

کرد مقتوںؔ چو فکر تاریخش　　گفت ہاتف سرور دلہا رفت
۱۱۸۶ھ

دیوان ریختہ مرتب تھا۔ ان کے اس شعر کو ؎

شکوہ کرے ہے تو جو مرے اشک سرخ کا　　تیری کب آستین مرے لہو بھر گئی

مرزا سوداؔ نے ایک طویل قطعہ میں نہایت خوبی سے تضمین کیا ہے

جس کا یہ پہلا شعر ہے ؎

سوداؔ لکھا فغاںؔ کو یہ خط اوس نے یار نے　　جس وقت اس کے حال کی اوس کو خبر گئی

بقول نواب علی ابراہیم خاں دیوان ریختہ کے علاوہ دو مثنویاں بھی

ان کی تصنیفات سے ہیں۔ جن میں ایک کسی شخص کی ہجو میں ہے۔

نمونہ کلام یہ ہے ؎

ہستی کے خرابے نظر آتے جو عدم میں　　ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا

ای شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے　　تو چاہئے تسبیح میں زنار نہ ہوتا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴) قید میں پڑے رہے۔ شتاب رائے نے انگریزوں کی رفاقت میں حسن خدمات انجام دی تھیں۔ بالآخر رہا ہوئے مگر اپنی نیکو خدمتی کے صلہ میں جب اس قسم کے مکارہات دیکھے تو ان کا دنیا سے دل چھوٹ گیا اور زندگی سے بیزار ہو کر مرض اسہال میں مبتلا ہوئے علاج میں بھی الٹی تدبیروں سے کام لیا۔ اور ۱۷۷۳ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ۱۲

عبث تو تڑپے ہے کنج قفس میں مرغ چمن
اسی تڑپ میں تو یہ بال و پر گئے اپنے

دل بستگی قفس میں یہاں تک ہوئی مجھے
گویا مرا چمن میں کہیں آشیاں نہ تھا

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
یاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار پر

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں
لیتا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں

میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہو
کیا اُڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں

تیری گلی میں خاک بھی چھانی کہ دل ملے
ایسا ہی گم ہوا کہ نہ آیا نظر کہیں

عشاق تیری گرمی بازار کر گئے
اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے

صیاد راہ باغ فراموش ہو گئی
کنج قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

گریاںؔ میر علی محمد۔ ولد میر علی اکبر۔ شاہ قدرت اللہ قدرتؔ اور میر ضیاء الدین ضیاؔ۔ دونوں کے شاگرد تھے ؎

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر
مر جائے ادھر وہ آہ بھر کر

مائلؔ۔ میر ہدایت علی۔ باشندہ عظیم آباد۔ ایک مدت تک ملک دکن کی سیاحت بھی کی ہے۔ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کیا ؎

آتا ہے دمبدم یہی رونا یہاں مجھے
پھینکا فلک نے ہائے کہاں سے کہاں مجھے

محترمؔ۔ خواجہ محمد محترم علی خاں۔ برادر زادہ خواجہ محمدی خاں نواب میر قاسم علی خاں کی سرکار سے منسلک تھے۔ حضرت شاہ رکن الدین عشقؔ کے سر برآوردہ شاگردوں میں ہیں ؎

پیغام تو جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک شاید بہار کے دن نزدیک آن پہونچے

مستمند۔ یار علی خاں۔ فقیہہ صاحب **دردمند** کے شاگرد تھے۔ صاحب سخن شعرا نے ان کو مرزا بچو **فدوی** کا شاگرد بھی لکھا ہے۔ کبھی کبھی مرشدآباد بھی جایا کرتے تھے ؎

دیوانہ جان کر مجھے تیرا گھڑی گھڑی زنجیر پا سناتے ہیں باتیں کڑی کڑی

مسکین لالہ بجتمل۔ متوطن عظیم آباد سنہ ۱۱۹۰ھ میں حیات تھے ؎

روئے زمیں پہ جتنے بے یاد حق ہیں پھرتے وے آدمی نہیں ہیں ماٹی کی مورتیں ہیں

مشتاق۔ محمد قلی خاں۔ نواب زین الدین خاں ہیبت جنگ صوبہ دار عظیم آباد کے رفیق و ندیم تھے۔ موسیقی میں ماہر اور پُر گو شاعر تھے ؎

غیروں کی وہ کہانی سنتا ہے گوش دل سے جب ہو مرا فسانہ تب اوس کو خواب آوے

مضمون۔ میر محمد ہاشم۔ متوطن عظیم آباد۔ پہلے **مشربی** تخلص کرتے تھے۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی سے بھی اتحاد تھا۔ جس زمانہ میں مرزا معز موسوی خاں **فطرت** عظیم آباد میں دیوانی کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ یہ اون کے شاگرد ہوئے ؎

مشربی منت تعلیم فلاطوں نہ کشم موسوی خاں چو بود صاحب استاد مرا

دگر ایدل مفریبم بہ قبائے چکنی کہ بود زینت من جامہ عریاں بدنی

چو دماغم رسد از بادۂ گلگوں مضمون   من کہ کیفی شدہ ام از مے شیریں سخنی

منتظر - خواجہ بخش اللہ - وطن الہ آباد ۱۱۹۰ھ میں عظیم آباد آئے - ایک مدت تک یہاں رہے - پھر اپنے وطن کو چلے گئے ؎

مری خاک مدت سے اُڑتی پھرے ہے   الٰہی کدھر دامن یار ہو گا۔

مہاراجہ رام نرائن **موزوں**

خلف دیوان رنگ لال - قوم کالستھ سری باستو - ہندوستان کی[۱] تاریخ میں مشہور و معروف ہیں - نواب میر جعفر خاں ناظم بنگالہ کے نائب اور صوبہ عظیم آباد کے فرماں روا تھے - نواب میر قاسم علیخاں کے عہد میں معزول ہوئے اور گنگا میں غرق کئے گئے[۲] - فارسی میں

---

۱ سفینۂ خوش گو - تذکرہ مہاراجہ رام نرائن موزوں -

۲ ۱۱۷۳ھ میں جب شاہزادہ عالی گوہر نے (جو بعد کو شاہ عالم بادشاہ ہوا) عظیم آباد پر حملہ کیا تھا تو راجہ رام نرائن پہلے تو محمد قلی خاں کی معرفت پیام صلح دیکر شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوا - مگر پھر بگڑ کر اس نے عظیم آباد میں قلعہ بند ہو کر لڑنا شروع کیا - اس اثنا میں نواب میر جعفر خاں اور میرن کرنل کلایو بہادر ثابت جنگ کی معیت میں رام نرائن کی کمک کے لئے مرشد آباد سے روانہ ہو چکے تھے - یہ معلوم کر کے شہزادے نے محاصرہ اٹھا کر بنارس کی طرف کوچ کیا - ہنوز راہ میں تھے کہ دلی سے اپنے

شیخ علی حزیں[۵۱] کے شاگرد تھے۔ تخلص کی رعایت اکثر شعر میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) والد (عالمگیر ثانی) کے مارے جانے کی خبر پہونچی۔ شہزادہ نے "شاہ عالم" کا لقب اختیار کر کے مقام کھتولی میں اپنے جلوس سلطنت کا اعلان فرمایا۔ اور پھر یہ تجویز ٹھہری کہ میرن کے آنے سے پیشتر رام نرائن سے لڑکر قلعہ عظیم آباد فتح کر لیجئے۔ چنانچہ کامگار خاں پانچ چھ ہزار سوار لیکر اور دلیر خاں اور اصالت خاں اپنی تمام جمعیت کے ساتھ۔ بادشاہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ اور رام نرائن کے لشکر سے دیوہا ندی کے کنارے معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اس لڑائی میں کامگار خاں نے رام نرائن کے ہاتھی سے اپنا گھوڑا ملادیا اور اتنے تیر اور تیرے مارے کہ اپنی دانست میں مار ڈالا۔ لیکن رام نرائن نے زخمی ہوکر ہودج کے اندر لیٹ کر تختوں کی آڑ میں اپنی جان بچائی۔

اس کے بعد ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۰ء میں نواب میر قاسم علی خاں میر جعفر کو معزول کر کے مسند نشیں ہوئے۔ یہ رام نرائن کے مخالف تھے۔ انہوں نے پہلے تو رام نرائن کو زرِ خزانہ کے محاسبہ میں قید کر دیا اور جب تھوڑے ہی دنوں میں ان کی انگریزوں سے بگڑی اور نوبت بر جنگ پہونچی۔ تو مونگیر سے بھاگتے وقت انہوں نے اپنے تمام قیدیوں کو قتل کر کے۔ رام نرائن کے گلے میں مٹکا ریت سے بھر کر لٹکایا اور گنگا میں ڈبوادیا۔ یہ واقعہ ۱۷۶۳ء میں گذرا۔ ۱۲ ر

۵۱ شیخ علی حزیں ۱۱۰۳ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۴۷ھ میں دہلی آئے اور ۱۱۸۰ھ میں بنارس میں انتقال کیا۔ ۱۲ ر

رکھتے تھے ۔ ریختہ بھی بہت صفائی سے کہتے تھے ؎

ابر تو خود ہی خجالت سے ہے پانی پانی | کب مقابل ہو مرے دیدۂ خونبار کے ساتھ

بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز | دل کے نگیں پہ نقش ہے نام خدا ہنوز

نالاں ۔ میر محمد وارث علی خلف میر ارزانی ۔ وطن اصلی قصبہ بہار تھا ۔ ۱۱۹۵ھ میں عظیم آباد میں شیشہ گروں کے سردار تھے اشرف علی خاں **فغاں** کے تلمیذ رشید اور صاحب دیوان ہیں ؎

یک بیک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا | لوگ حیران ہوئے یہ چاند کدھر سے نکلا

بہت ڈرتا ہوں او سدم یاد کر احوال کو اپنے | نظر آجاوے ہے نالاں کوئی شیشہ جہاں ٹوٹا

چین سے بیٹھنے کہیں نہ دیا | مجکو میری ہی بد گمانی نے

چپکے رہجائے کچھ سن کے تو رسوائی ہے | بول اُٹھے تو وہ کہتا ہے کہ سودائی ہے

دوستی تجھ سے کی کہاں کہ مجھے | دشمنی ہو گئی زمانے سے

نجات ۔ شیخ حسن رضا ۔ احمد شاہ دُرّانی کی چڑھائی کے بعد یہ عظیم آباد چلے آئے ۔ ایک مدت تک نواب علی ابراہیم خاں کے عم محترم حاجی احمد علی **قیامت** کے جوار عاطفت میں زندگی بسر کی ۔ پھر میاں مصاف کی سرکار میں خدمات دیہی پر مامور ہوئے اطراف سارن میں کسی دیہات میں رہتے تھے ۔ زیادہ تر مرثیہ گوئی سے شوق تھا ۔ ؎

کوئی عنوان نہ دیکھا کفر و ایماں میں جدائی کا ہر ایک بت میں نظر آیا ہمیں جلوہ خدائی کا

ولیؔ ۔ مرزا ولی۔ شاہ اسرار اللہ کے بھتیجے۔ شاہ جہاں آباد سے عظیم آباد آئے سنہ ۱۱۹۴ھ سے پیشتر مرشد آباد چلے گئے تھے ؎

آہ کا اوس کو کچھ اثر نہ ہوا میرے اس نخل میں ثمر نہ ہوا

ہمدمؔ ۔ میر محفوظ علی۔ باشندہ عظیم آباد خلف ہیبت قلی خاں حسرتؔ تلمیذ شاہ قدرت اللہ قدرتؔ ؎

آہ کی بھی نہیں رہی طاقت آہ کیونکر کرا ہیئے ہردم

متقدمین شعرائے عظیم آباد مندرجہ تذکرہ گارسن دی تاسی و تذکرہ عشقی

قبل اس کے کہ طبقہ متقدمین کا پہلا دور ختم کیا جائے۔ اس مقام پر یہ بیان کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر اسپرنگر کی "فہرست کتب خانہ اودھ" اور "تذکرہ گارسن دی تاسی" سے بحوالہ تذکرہ عشقی پایا جاتا ہے کہ مذکورہ مشاہیر شعرا کے علاوہ چند اور غیر معروف شعرا بھی اس زمانہ میں عظیم آباد میں موجود تھے جن کا تذکرہ ضمیمہ دور اول کے عنوان سے ذیل میں علحدہ مندرج ہے اور ان کے ماسوا دیگر عظیم آبادی شعرا جو "گارسن دی تاسی" و "عشقی" میں مندرج ہیں۔ اون کا تذکرہ دوسرے اور (بعض) تیسرے دور [illegible]یب حروف تہجی اپنی جگہ پر آگے بیان کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ حضرت شیخ محمد وجیہہ الدین عشقی عظیم آبادی ابن غلام حسین محرم (جن کا تذکرہ اوپر بیان ہو چکا ہے) نے تقریباً سنہ ۱۲۲۵ھ میں ایک تذکرہ شعرائے ہند کا مرتب کیا تھا جس میں بہتر کے قریب ایسے شعرا ہیں جو خاص عظیم آباد کے تھے یا یہاں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ اور جن میں سے اکثر کے تذکرے "گلزار ابراہیم" وغیرہ کے حوالے سے اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر اسپرنگر کے "کیٹ لاگ" سے پایا جاتا ہے کہ اس تذکرہ عشقی کا قلمی نسخہ شاہان اودھ کی لائبریری میں موجود تھا اور بقول گارسن دی تاسی ایک قلمی نسخہ مسٹر جے۔ بی۔ الیٹ کے پاس بھی تھا۔

بہرحال تذکرہ عشقی میں جتنے شعرا مندرج ہیں اون سبھوں کے نام اور اون کے حالات مع اضافہ تحقیقات کے ڈاکٹر اسپرنگر کے "کیٹ لاگ آف اودھ لائبریری" (فہرست کتب خانہ شاہان اودھ)

اور تذکرہ گارسن دی تاسی' میں حوالہ عشقی کے ساتھ موجود ہیں اور راقم نے ان سے کافی فائدہ اٹھایا ہے اگرچہ اکثر شعرا کے کلاموں کا انتخاب دیگر تذکروں سے بھی حاصل کیا گیا ہے۔

شعرالہند جلد اول کے دیباچہ میں جو بیان کیا گیا ہے کہ ۱۱۱۵ھ میں رحمت اللہ عشقی عظیم آبادی نے ایک تذکرہ لکھا تھا جس میں ۴۳۹ شعرائے ریختہ کا تذکرہ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عشقی تخلص کے ساتھ رحمت اللہ نام کے کسی شاعر کا وجود بھی عظیم آباد میں نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ "دی تاسی" نے اس کا زمانہ تالیف ۱۲۱۵ھ قرار دیا ہے تاہم نام کی غلطی کا اصل سبب مفصل بیان کرنے کی اس مقام پر گنجائش نہیں۔

تذکرہ "روز روشن" مولفہ میر ز بیر علی عبرتی میں (جو تقریباً ۱۲۳۶ھ میں لکھا گیا ہے) مذکور ہے کہ حضرت عشقی کے ایک شاگرد خواجہ حیدر جان شائق تخلص نے عبرتی موصوف سے (جن کا تذکرہ تیسرے دور میں آگے مذکور ہے) ڈھاکہ میں بیان کیا تھا کہ حضرت عشقی مرحوم نہایت مستغنیانہ زندگی بسر کرتے تھے اور انتقال کے بعد اُن کا دیوان و مثنوی اور دیگر تصنیفات نظم و نثر (تذکرہ) وغیرہ ڈھاکہ میں اور کچھ بعض احباب کے پاس موجود تھیں جن کو عبرتی موصوف نے دیکھا بھی تھا۔ راقم کی نظر سے یہ دونوں تذکرے بھی گزرے ہیں

ضمیمہ دور اول

احتشام ۔ خواجہ احتشام حسین ۔ رئیس عظیم آباد ؎

دشت کو غم نہیں مجنوں کا فراموش ہنوز
دیکھ تو چشم غزالاں ہیں سیہ پوش ہنوز

بسمل ۔ سید حمید ابن بلال محمد ۔ نواب منیرالدولہ[1] کے رفیق تھے ؎

بوئے گل تو تو چلی اپنی سبکساری سے
ہم گراں بار اٹھیں گے بڑی دشواری سے

بیدار ۔ منشی ببا و ن لعل تلمیذ مرزا مظہر جان جاناں ۔ ایک مدت تک پٹنہ میں رہے اور یہیں فوت ہوئے ؎

مرے لخت جگر یوں آنسوؤں کے ساتھ جاتے ہیں
کہ جوں پھولوں کی پنکھڑی لیکے پانی میں بہاتے ہیں

---

[1] نواب منیرالدولہ رضا قلی خاں شاہ عالم بادشاہ کے وکیل مقرر ہو کر عظیم آباد آئے تھے۔ انہوں نے ۱۱۸۸ھ میں انتقال کیا اور محلہ باؤلی میں مدفون ہوئے۔ انکی قبر پر جو کتبہ کندہ ہے وہ اس تاریخ "داد رضوان بہشت آوا زد ختم فاذ خلو" سے مادہ تاریخ نکلتا ہے۔ نواب کریم قلی خاں انکے بیٹے تھے ان کے خاندان نے محلہ بھکنا پہاڑی میں سکونت اختیار کی

جاذب - میر مظہر علی۔ متوطن عظیم آباد - فارسی میں صادق تخلص تھا ؎

ہے جنوں کا زور طوفاں ان دنوں ۔ میں ہوں اور میرا گریباں ان دنوں

جعفری - مرزا جعفر خلف فائز علی خاں متوطن عظیم آباد شاگرد میر محمدی رضا[له] ؎

شب تری فرقت میں دل آتش جگر بھی آب تھا ۔ شمع ساں یک شعلہ آنکھوں میں بجائے خواب تھا

جوہری - مولوی آیت اللہ پھلواروی - ان کا فارسی میں شورش (اور بقول محسن کا دسنی تاسی سوزش) تخلص تھا - ۱۸۴۳ء میں انتقال کیا - تذکرہ اوپر بیان ہو چکا ہے -

حیرت - رحم علی - زیادہ حال معلوم نہیں ؎

کہاں ہے ہمنشیں محتسب خدا سے تو ڈر ۔ مرے بغل میں چھلکتا ہے آبلہ دل کا

خادم - خادم حسین خاں ولد حاجی احمد علی قیامت - نواب علی ابراہیم خاں کے چچیرے بھائی تھے - دوران تالیف تذکرہ عشقی ان کا انتقال ہوا ؎

یار جا پہونچے اپنی منزل کو ۔ ہم ابھی باندھتے ہیں محمل کو

خواجہ - امیر اللہ خاں - متوطن عظیم آباد ؎

جو ہاتھ اوس کے بند قبا کھولتے تھے ۔ سو مشغول ہیں اب بکار گریباں

راسخ - شیخ غلام علی ولد شیخ محمد فیض عظیم آبادی - مفصل تذکرہ دوسرے دور میں مذکور ہے

رشکی - محمد حسن خاں - ولد خادم حسین خاں خادم - تھا لیاً دہلی اردو اخبار کے اڈیٹر بھی تھے

رضواں - غلام حسین - ساکن عظیم آباد - زیادہ حال معلوم نہیں

زاری - سوہن نام - باشندہ عظیم آباد - شاگرد میر محمدی رضا[له]

سالم - غلام مصطفےٰ شاگرد فدوی حضرت عشقی کے دوست انگریزی فوج میں سوار تھے

شاہ - شاہ سعد اللہ عرف عشق علی شاہ تلمیذ میر درد - حضرت کریم اللہ سجادہ نشین تکیہ شاہ ارزاں کے مرید تھے - سارن و بتیا میں قیام تھا - تذکرہ قائم میں بھی ان کا مذکور ہے ؎

وابستہ ہے تجھ سے اپنی یاں زیست ۔ جب تو ہی نہیں تو پھر کہاں زیست

شور - خواجہ عاصم خاں - خلف خواجہ محمدی خاں ؎

آرزو یہ ہے کہ اس طرح دن اور رات کٹے ۔ جتنی باقی ہے مری عمر ترے سات کٹے

[له] ان کا تذکرہ دور اول میں مذکور ہے -

شورش - میر مہدی ولد غلام حسین - زیادہ حال معلوم نہیں

شوق - شیو گوپال عرف کاکاجی ساکن عظیم آباد - تجارت اور مہاجنی کرتے تھے

دامن کو تیرے خوں نہ رہے بن بھرے ہوئے ۔۔۔ چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مرے ہوئے

طالب - شاہ طالب علی - شاگرد مرزا قدوی صاحب دیوان تھے ۱۲ھ میں انتقال کیا

مژدہ اے قیس تیری وادی میں ۔۔۔ ناقہ لیلیٰ کا آج آتا ہے

طرزی - میر امام علی متوطن دہلی مقیم عظیم آباد - شاگرد نفیر

قربان - میر قربان علی عظیم آبادی ولد میر محمد قاسم شاگرد قدرت بہ حیثیت ناظم کے ملازم تھے

کمال - کمال علی - متوطن مان پور ضلع گیا سکونت دیورہ متصل بہار - اردو و فارسی دونوں میں کہتے تھے - ان کی تصنیف سے "کمال الحکمت" اور "چہاردہ درود" دو کتابیں ہیں ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا

شب وصال میں جب روز غم کی بات چلی ۔۔۔ خروش مرغ سحر نے کیا کہ رات چلی

گریاں - راجہ بھوانی سنگھ بہادر عرف راجہ کنور - ولد راجہ شتاب رائے شاگرد قدوی

دل ہی نہیں ملے ہی ملے کیا نشان داغ ۔۔۔ مدت سے ڈھونڈتا ہوں کروں کیا بیان داغ

مجرم - شیخ غلام حسین - حضرت عشقی کے والد کا نام تھا - شاہ محمد وفا (مولف وقائع مہابت جنگی) سے کسب سخن کیا تھا - "دی تاسی" نے عبداللہ سرشار کا شاگرد لکھا ہے - فارسی میں تقدیر تخلص تھا

بنواز بہ زخم تیغ ظالم ۔۔۔ از آب مکن دریغ ظالم

مراد - مرزا مراد بخش عرف مرزا احمد ولد ناصر محمد خاں (وکیل منی بیگم) شاگرد راسخ تیس سال کی عمر میں انتقال کیا - تذکرہ عشقی میں ایک اور مراد کو بھی لکھا ہے جو محمد شاہ کے عہد میں تھے

جاں بلب ہوں میں خماروں سے اور آتی ہے بہار ۔۔۔ وقت ہے ساقی اگر جام میں صہبا کیجے

ہے عشق و عقل سے ہر دم مجادلہ دل کا ۔۔۔ کشاکشی میں پڑا ہے معاملہ دل کا

مست - علی خاں - اصالت خاں ثابت کے بھتیجے - عشقی کے شاگرد تھے - پورنیہ میں قیام تھا

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ ٹیڑھوں میں یہ کیوں ۔۔۔ خانہ جنگی نہیں رہتی ہے سدا مست کے ساتھ

مضطر - ان کا نام معلوم نہ ہوا - یعقوب طالب کا شاگرد لکھا ہے

جب سے اوس شوخ کا عاشق میں ہوا ہوں مضطر ۔۔۔ ہر کوئی دیکھ ہنستے ہے مری رسوائی کو

نقد۔ مہر علی خاں دہلوی۔ مقیم عظیم آباد۔ ان کا کلام دستیاب نہ ہوا۔

نواز۔ علی نواز خاں۔ عرف مرزا مدد۔ نواب عمدۃ الملک کے یہاں ملازم تھے ۵

چمن میں آج ہے بلبل کی یہ سی　　بہار آئی سنی اُڑتی خبر سی

نیاز و نیازی۔ میر فضل علی لکھنوی۔ یہ میر جان اور بہادر خاں نیازی بھی کہلاتے تھے عظیم آباد میں قیام تھا اور یہیں انتقال کیا بقول ڈاکٹر اسپرنگر (صفحہ ۶۳۵) میر محمد سلیم عرف راجہ کامگار خاں کے بھتیجے تھے جوشش اور مجرم سے تلمذ تھا۔ تذکرہ "سراپا سخن" میں ان کا تخلص نثار لکھا ہے جو دوسرے دور کی فہرست میں مع نمونہ کلام مندرج ہے۔

یوسف میر یوسف علی خاں کوتوال۔ اصالت خاں ثابت کے بھانجے تھے ۵

زباں پر رات دن اوس حور کا افسانہ رہتا ہے　　نہیں ہے غیر کے قصہ سے کچھ ہم کو خبر یوسف

دوسرا دور

طبقہ متقدمین سنہ ۱۲۰۱ھ سے سنہ ۱۲۵۰ھ تک

به ترتیب حروف تہجی

اشکی[۱]۔ سید شاہ وارث علی۔ خلف شاہ کلب علی متوطن عظیم آباد محلہ دھولپورہ شیخ وجیہ الدین عشقی کے شاگرد تھے بیشتر فارسی میں کہتے تھے ۵

تو نے تو رو کے اشک کا دریا بہا دیا　　اشکی فراق یار کا چھیڑا تھا ہم نے ذکر

آشنا۔ شاہ ابو تراب خلف الصدق سید شاہ نعمت اللہ مشائخ قصبہ پھلواری میں سے تھے

بارہا چاک گریباں دوختم　　ناصحا دست جنوں کوتاہ نیست

آگاہ[۲]۔ نور خاں تلمیذ شاہ واقف دہلوی نواب کریم قلی خاں کے یہاں قصہ خواں تھے ۵

ہماری سجدہ گہہ محراب ہے اپنے گریباں کی　　عبادت گاہ ہے محراب کعبہ ہر مسلماں کی

[۱] حضرت شاد مرحوم کے استاد شاہ الفت حسین فریاد (جن کا تذکرہ تیسرے دور میں آگے مذکور ہے) حضرت اشکی کے بھانجے اور شاگرد بھی تھے اور اشکی کو عشقی سے تلمذ تھا (ڈاکٹر اسپرنگر صفحہ ۲۰۵ و گارسن دی تاسی تذکرہ اشکی بہ حوالہ تذکرہ عشقی)

آلفت۔ منشی منگل سین۔ باشندہ عظیم آباد۔ قوم کائستھ تلمیذ جرأت دہلوی ہے
ہر قدم پر یاں تلک آتے ہیں سو سو ناز ہیں کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دوچار کے
اُلفتی۔ راجہ پیارے لال لولد رائے سکھن جی قوم کائستھ ماتھر متوطن سکندرہ متصل اکبر آباد۔ فارسی انشا پردازی میں مشہور تھے۔ ایک مدت تک دلی میں اکبر شاہ ثانی کے میر منشی رہے۔ بالآخر ترک روزگار کر کے عظیم آباد چلے آئے ۱۲۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ انکے خانگی کتبخانہ میں کئی ہزار کتابیں تھیں۔ علاوہ مثنوی "نیرنگ تقدیر" "دنیا بازار"۔ فارسی میں دیوان مرتب ہے ہے
خاکساری سے مثال کفش پا جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو گئے۔
امامی۔ میر امامی۔ خلف میر افتخار علی بلگرامی ذرہ تخلص۔ متوطن کواتھ ضلع آرہ۔ ماہ محرم ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۴ھ میں انتقال کیا۔ انکی تصانیف سے ایک مثنوی "شورش عشق" جس کا سال تصنیف ۱۲۳۵ھ ہے ۱۲۹۵ھ میں چھپ گئی تھی۔ اور ایک دوسری مثنوی "ثمر مراد" ۱۲۴۹ھ کی لکھی ہوئی "اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ" کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا یہ پہلا شعر ہے ہے
لوایم خامہ و الفاظ لشکر بہ میداں آمدم اللہ اکبر
امن۔ میر امان دلی سے نکل کر عظیم آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ پھر یہاں سے ۱۸۰۱ء میں کلکتہ گئے۔ وہاں مشہور مستشرق ڈاکٹر گلکرسٹ[۱] نے ان کو چار درویش کے قصہ کا اردو ترجمہ کرنے پر مامور کیا اسکے علاوہ کتاب "گنج خوبی" کی تالیف اور عیار دانش کا اردو ترجمہ "خرد افروز" کے نام سے انہوں نے کیا ہے انکی نثر دلی کی قدیم بامحاورہ اردو کا بہترین نمونہ ہے ہے
مرتب ہوا جب کہ باغ و بہار تھے سن بارہ سو سترہ در شمار (الخ)
امین۔ نواب مرزا اینڈھو[۲] المخاطب بہ نواب امین الدولہ معین الملک نامر جنگ بہادر وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے۔ بقول مؤلف آب حیات دہلی میں اپنے مکان پر

[۱] اردو زبان کی تاریخ میں مسٹر جان گلکرسٹ بھی ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اردو نثر نویسی کو فروغ دینے والے سب سے پہلے شخص یہی ہیں۔ انکے ماتحت سرکار کمپنی بہادر کی ملازمت میں ہندوستان کے بہتیرے اہل قلم تصنیف و تالیف کی خدمت پر مامور تھے خود ڈاکٹر گلکرسٹ نے بھی ۱۸۰۱ء میں اردو کا ایک لغت تصنیف کیا تھا۔

[۲] تذکرہ "روز روشن"، "تذکرہ الفتی"۔

بڑے تزک و احتشام سے مشاعرے کیا کرتے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں عظیم آباد کے قیام پر مجبور کیے گئے ۔

شاید کہ سیل اشک نے اسکو بہا دیا ۔ سینے میں اب تو خاک نہ پایا سراغ دل
کل جو ہم نے غنچہ کے ساتھ سیر دیر کی ۔ ڈر کھڑا یا تھا ہی پا لیکن خدا نے خیر کی
یاس و غم و آرزو جمع یہ سب چیز ہے ۔ یل بے سمائی تیری دل بھی عجب چیز ہے

برکت ۔ شیخ برکت اللہ متوطن عظیم آباد۔ اس دیار کے بعض شعراان کے شاگرد تھے ۔

ہے ترے سوا کون مرا پوچھنے والا ۔ ہاں تجکو سلامت رکھے اللہ تعالی

بیتاب ۔ سنتو کھ رائے باشندہ عظیم آباد ۔

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے ۔ اتصدیع میں کسی کا فرکے یہ بلا نہ کرے

بیتاب ۔ سید کلب علی ابن شاہ فیض علی متوطن عظیم آباد محلہ دھولپورہ انکو کیمیاگری کا بھی شوق تھا ۔

جلوہ گر ہے داغ اپنے یوں دل مایوس میں ۔ ہو فروزاں شمع جیسے پردہ فانوس میں

بیقرار ۔ خواجہ کاظم خاں متوطن عظیم آباد تلمیذ مرزا فدوی۔ خواجہ محمدی خاں کے پوتے اور خواجہ عاصم خاں شور کے بھتیجے تھے۔ سرکار کمپنی بہادر میں تحصیلداری کے عہدہ پر فائز تھے ۔

گل چیں خبر تو ہونے دے اوس گلعذار کو ۔ پھر آکے ہم سلام کریں گے بہار کو

تمنا ۔ مرزا علی رضا۔ شاگرد جوشش عظیم آبادی ۔

آرام مجھے عشق میں دشوار نہ ہوتا ۔ پہلو میں اگر یہ دل بیمار نہ ہوتا

تنہا ۔ شاہ محمد علی عرف محمد وحید دہلوی مقیم عظیم آباد۔ شاگرد علی نقی محشر دہلوی[1] ۔

دست جنوں سے ٹکڑے کرنا اسے بجا تھا ۔ کیوں پیرہن ہمارے ناحق گلے پڑا تھا

ثابت ۔ اصالت خاں۔ متوطن عظیم آباد۔ شاگرد مرزا فدوی ۔

ید بیضا سے ماہ کو پایا ہم ۔ اوس کے وقت سلام میں دیکھا

ثروت ۔ مفتی غلام مخدوم خلف مولوی جمال الدین پھلواروی شاگرد مولوی آیت اللہ شورش۔ ابتدا میں مفلوک الحال تھے بالآخر کسی مقدمہ متروکہ کی بدولت انکو چالیس ہزار روپے سرکار کمپنی سے ملے ۔

آستیں جو ہو گئی دریا ہے جوا ماں اشک سے ۔ چشم یہ مجکو نہ تھی اے چشم گریاں اشک سے

ثنا ۔ میر شمس الدین۔ متوطن کشمیر۔ مقیم عظیم آباد شاگرد مشتاق ۔

[1] دوران تالیف تذکرہ "[illegible]" [illegible] مفقود [illegible]

چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے — فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

جمال - شاہ جمال حسین ابن حیدر علی رضوی متوطن عظیم آباد ۱۲۲۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کی قبر ڈھائی کنگورہ کی مسجد کے سامنے واقع ہے۔ کتابہ پر قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ سال وفات اس مصرع سے نکلتا ہے ع جان شیریں بوصل یار سپرد ۵
۱۲۲۹ھ

پہلے تو مدتوں اوسی در کا فقیر تھا — سنتے ہیں اب جمال نے بھی دل ہٹا لیا

جنوں - شاہ غلام مرتضیٰ ساکن سہسرام ضلع شاہ آباد شاگرد برکت صاحب دیوان تھے

تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا — کہ مے دو آتشہ طاق پر جو دھری تھی یوں ہی دھری رہی

حسن - سید شاہ غلام حسن خلف شاہ امیر اللہ ابن سید شاہ خیر اللہ متوطن قصبہ بیتھو ضلع عظیم آباد۔ سلسلہ نسب حضرت اشرف جہانگیر قدس سرہ سے ملتا ہے جن کا مزار قصبہ کچھوچھہ ملک اودھ میں ہے حضرت شاہ محمد منعم قدس سرہ سے بیعت خلافت بھی حاصل تھی۔ ۱۱۸۵ھ میں انتقال کیا۔ مثنوی "کارستان عشق" اور اصناف سخن میں ایک ضخیم کلیات جو تقریباً بارہ ہزار ابیات پر مشتمل ہے یادگار چھوڑا ۵

جلوۂ ذات حسن اندر دل خود دیدہ است — زندگانی را بسر در خود پرستی میکند

حکیم - حکیم احمد حسین عرف لکھی سوداگر عظیم آبادی خلف شیخ فیض بخش۔ تلمیذ راسخ ۵

کچھ آج اُلجھتی ہے ہوا سے مری زنجیر — کیا آئی ہوا کاکل پیچاں سے اُلجھ کر

حیدری - حکیم غلام علی عرف شیخ جما۔ حسین آباد (شیخپورہ) میں طبابت کرتے تھے۔ شاگرد مجرم و وفا۔ بقول "دی تاسی" اردو شاعری میں نئے اسکول کے بانی تھے

ہم کہیں وہم میں نہیں اوس کے — لوگ کیا کیا گمان کرتے ہیں

خلاق - مولانا تصدق حسین خلف قاضی عبید اللہ مولانا امین اللہ امین کے نواسے تھے مولد و وطن موضع نگرنہسہ ضلع عظیم آباد۔ ایک رسالہ "دستور القواعد" فارسی مطبوعہ اور ایک دیوان قلمی یادگار چھوڑا ہے۔ ۱۲۷۶ھ میں انتقال کیا مولوی حلیم الدین حسین مصنف "سلم الافلاک" (متوفی ۱۳۰۶ھ) ان کے بیٹے تھے ۵

کشتی و سوختی و زدی خاک من بہ باد — خود گو جواب پرسش روز حساب چیست

موئے سفید گشتہ و خلاق غافلی — صبح از افق دمید دگر وقت خواب چیست

رانجہ - راجہ بہادر۔ خلف مہاراجہ شتاب رائے نائب دیوان نظامت بنگالہ۔ شاگرد اشرف علی خاں فغاں۔ ۵ہ

یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہونچے
ہم اون تلک نہ پہونچے وہ ہم تلک نہ پہونچے

شیخ غلام علی راسخ

راسخ۔ تخلص۔ شیخ غلام علی نام۔ وہ نامور بزرگ ہیں جو ہندوستان کی دنیائے شاعری میں ثانی میر تقی میر تسلیم کئے گئے۔

متاخرین تذکرہ نویسوں نے موضع سائین کو۔ جو عظیم آباد سے دس کوس کے فاصلے پر ایک دیہات ہے۔ ان کا مولد وطن قرار دیا ہے[۵ہ]۔ سنہ ۱۱۶۲ھ میں کسی غیر مشہور خاندان میں پیدا ہوئے۔

ایام شباب سے یعنی تقریباً سنہ ۱۱۸۲ھ سے سنہ ۱۲۲۲ھ تک یہ عظیم آباد میں بہت کم رہے۔ اور اس زمانے میں یہاں ان کو لوگ بہت کم جانتے تھے۔ "تذکرہ گلزار ابراہیم" میں جس کو نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی نے سنہ ۱۱۸۴ھ سے لکھنا شروع کیا تھا اور سنہ ۱۱۹۶ھ میں تمام کیا۔ راسخ کے ایسے خوش گو شاعر کا کوئی تذکرہ اور کوئی ایک شعر بھی موجود نہیں۔ پھر اس کے بعد سنہ ۱۲۱۵ھ تک

۵ہ "تذکرہ گل رعنا" مولفہ مولانا عبدالحی مرحوم ۱۲

رسالہ "نوائے وطن" میں حضرت شاد مرحوم نے راسخ کو مرزا شرر (تلمیذ تحقیق) کا شاگرد بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مطبوعہ کلیات راسخ میں شروع میں نو دس قصیدے اور چند قطعات ہیں۔ جن میں چند قصیدے نواب آصف الدولہ اور غازی الدین حیدر کی تعریف میں بھی ہیں جب وہ نواب وزیر تھے۔ قصیدے کے یہ مرد میدان نہ تھے۔ یہ قصاید غالباً قیام لکھنؤ کے زمانے میں کہے گئے ہیں۔ ورنہ عام طور پر ان کا دامن درباری تعلقات سے کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ قصاید کے بعد غزلوں کا دیوان ہے جو ان کے کلام کا اصلی جوہر ہے۔ ابتذال مضامین سے ان کا کلام بالکل پاک ہے۔ کنگھی چوٹی۔ بوس وکنار اور ضلع جگت کے بھدّے زیورات کی ان کے عروس کلام میں کہیں جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے کلام میں سوز وگداز کے ساتھ تصوف کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ اور فلسفیانہ رنگ بھی اکثر پایا جاتا ہے۔ ثقاہت ومتانت معنی میں یہ اپنے استاد میر سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں اور عشق حقیقی کے پاک جذبات کے بیان میں یہ اون سے آگے ہیں۔ راسخ نہ صرف سر دفتر شعرائے بہار ہیں۔ بلکہ اقلیم سخن میں میر و درد

کی طرح تمام ہندوستان کے لئے مایۂ افتخار رہیں۔

غزلوں کے علاوہ آخر میں قابل دید پندرہ مختلف مثنویاں تقریباً ڈھائی سو صفحوں پر ختم ہوئی ہیں۔

بقول مولانا حسرت موہانی۔ ان سب مثنویوں کا انداز میر کی مثنویوں سے اسقدر ملتا جلتا ہے کہ دونوں میں تمیز بھی مشکل سے ہوسکتی ہے[1]۔ اب نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

بے مدعا ہوں یہ بھی ہے ایک مدعائے دل
اس قید مدعا سے نہ کوئی رہا ہوا

ضبط گریہ تو ہے پر دل پہ جو ایک چوٹ سی ہے
قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز

آزمائے وہ ہمیں رتبہ کہاں یہ اپنا
امتحاں کے نہیں ہم آہ سزاوار ہنوز

نہیں ہوش والوں پہ کچھ حسد مجھے رشک ہے تو انہوں پہ ہے
جنہیں ترے جلوہ کے سامنے مری طرح بے خبری رہی

تا خواب مرگ ذکر تھا ان کا زبان پر
نیند آگئی ہمیں تو اسی داستان پر

اپنا بھی ماجرائے دل ایک مرثیہ سا ہے
بے اختیار روتے ہیں لوگ اس بیان پر

ایکبار دل ہوئے دو عالم سے اٹھ گیا
بیٹھے ہیں آن کر جو ترے آستان پر

راسخ یہ کیا ہے عشق کو بدنام مت کرو
عاشق ہو اور مرتے ہو نام و نشان پر

اور جان مجسم کی بیاں کیا ہو حقیقت
عکس آئینہ میں جس کا نمودار نہ ہووے

[1] رسالہ اردوئے معلیٰ۔ بابت مئی سنہ ۱۹۰۷ء

کسقدر بوقلموں جلوہ ہے محبوب اپنا
کوئی بھی اوس کی تجلی نہیں تکرار کے ساتھ

محتاج سیاحت کا نہیں عارفِ کامل
دریا کے تئیں آپ ہی ہیں سیر و سفر ہے

دل کے آگے کیوں بڑھا تو اے طلبگار وصال
پھر اودھر ہی جا وہی گھر جلوہ گاہ یار تھا

ظلمت سرائے دہر کے جو ہیں فروغ بخش
اغلب یہ ہے کہ شب کو چراغ اون کے گھر نہ ہو

ہے عزم ترک ہستی وجہ دوام ہستی
جیتے ہی جی فنا ہو گر ہے بقا کی خواہش

میری متاع عجز بھی کی ناپسند ہائے
بولے کہ اس متاع پہ تجکو غرور تھا

پردہ کب آسان روئے دل ربا سے اٹھ گیا
تب اٹھا واں پردہ جب میں درمیاں سے اٹھ گیا

مدعا عالم سے اپنا ہی فقط دیدار تھا
دید کو اپنے یہ آئینہ اوسے درکار تھا

طاعت کا بدل چاہئے جنت تمہیں راسخ ؟
تم مزد کے خواہندہ ہو مزدور ہو صاحب

طالبان یار کی منزل تو غیر از دل نہیں
کعبہ کہتے ہیں جسے سو راہ ہے منزل نہیں

سلیمان - سلیمان خاں - متوطن دہلی - مقیم عظیم آباد - اشرف علی خاں فغاں کے شاگرد تھے ؂

نظر آئی حنابندی مجھے کس گل کے ہاتھوں کی
کہ اشک سرخ سے کاسہ ہوا معمور آنکھوں کا

ضمیر - کنور ہیرا لال - خلف الرشید راجہ پیارے لال الفتی - مولد و مسکن شہر عظیم آباد - درسیات فارسی و عربی میں فارغ التحصیل - علم ہیئت و ہندسہ و اقلیدس وغیرہ میں بھی دخل تھا - چند سال محکمہ بورڈ کمشنر وافیون میں سررشتہ داری کے عہدہ پر

ممتاز رہے۔ بطور تفنن طبع غزل گوئی کا بھی شوق تھا۔ ۱۲۵۹ھ میں انتقال کیا ؎

از سینۂ سوزاں بہ فلک نالہ فرستیم
وز دیدۂ گریاں بہ زمیں ژالہ فرستیم

تا نیک نشانش دہد از صورت عالم
نامہ بنویسیم و گل لالہ فرستیم

طپش۔ مرزا جان۔ متوطن دہلی۔ حسب الطلب نواب گورنر جنرل کلکتہ آئے تھے۔ بعد مراجعت عظیم آباد میں آکر مقیم ہوئے اور یہیں سے راہی ملک عدم ہوئے۔ صاحب دیوان تھے ؎

باغ عالم میں جو اوس شوخ نے پائیں آنکھیں
پوچھو نرگس سے کہ ایسی نظر آئیں آنکھیں

عاجز۔ میر غلام حیدر۔ متوطن دہلی۔ مقیم عظیم آباد۔ شاہ قدرت اللہ **قدرت** کے شاگرد تھے ؎

سوزش داغ کی میرے جو خبر گرم ہوئی
مہر سر کھولے ہوئے مارے جلن کے نکلا

عاشقی۔ آغا حسین قلی خاں۔ خلف آغا علی خاں قاجار۔ وطن اصلی خراسان تھا۔ عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ سکندر آباد میں تحصیلداری کے عہدہ پر مامور تھے۔ تذکرہ "نشتر عشق" جس میں چودہ سو شعرائے ایران و ہندوستان کا تذکرہ ہے۔ انہیں کی تالیف سے ہے۔ مولانا وجیہہ الدین **عشقی** کے شاگرد تھے ؎

جس سے کہ میں پوچھوں ہوں مزا عشق کا کیا ہے
رو رو کے یہ کہتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

عسکری۔ سید محمد عسکری۔ خلف سید خورشید علی خورشید بلگرامی

تمام عمر آزادانہ بسر کی۔ آخر عمر میں پچیس تیس برس آرہ میں مقیم رہے مولوی انور علی یاس آروی سے بہت ربط و خلوص تھا۔ ان کی تصنیفات سے ایک تنثرہ یعنی ارباب نثر کا تذکرہ موسوم بہ "صحائف شرائف"۔ اور ایک انشا موسوم بہ "مطلوب الطالبین" اور ایک رسالہ مصطلحات فارسی میں موسوم بہ "مستند الشعرا" اور ایک دیوان فارسی مشتمل بر اصناف سخن موجود ہے۔ نمونہ کلام ؎

یک رہ بہ مزار من از لطف بفرمائی ۔۔۔ سر بر کند از پایت اعجاز مسیحائی

یک نیم نگاہے را رخصت بہ تماشا دہ ۔۔۔ اے بر رخ تو حیراں صد چشم تماشائی

ہر کس کہ ز دیدارت بے ہوش نمی گردد ۔۔۔ دانم کہ ز چشم او زائل شدہ بینائی

غالب۔ مرزا امان علی تھا۔ وطن عظیم آباد۔ اردو قصہ حضرت امیر حمزہ انہیں کی تالیف سے ہے۔ مرزا قتیل کے شاگرد تھے۔ شعر فارسی بھی کہتے تھے۔ پہلے ہندو تھے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مدت تک ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ آخر عمر میں کلکتہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔۔ ؎

بنگئے لعل و گہر اشک دل افگار و ں کے ۔۔۔ دیدۂ زار خزنے ہوئے فواروں کے

سلطنت سے ہی کہیں غالب میسر ہو اگر ۔۔۔ آستان سرور عالم کی دربانی مجھے

فرحت۔ خواجہ فیض اللہ معروف بہ شاہ غلام مخدوم عظیم آبادی

سلسلہ ابوالعلائیہ سے منسلک تھے۔ اور مؤلف تذکرہ "آفتاب عالمتاب" کے زمانہ تک حیات تھے۔ راسخ عظیم آبادی سے تلمذ تھا ؎

در ساغر پر بادہ و در دیدہ پر خوں ‌ ‌ ہر جا اثر نرگس جادوئے تو دیدم

گل چمن میں مری اشکوں سے بھر آئیں آنکھیں ‌ ‌ یاد نرگس نے مجھے اون کی دلائیں آنکھیں

شاہ محمد ابوالحسن فرد

معروف بہ فرد الاولیاء خلف و جانشین حضرت شاہ محمد نعمت اللہ ولی۔ سجادہ نشین پھلواری۔ ۱۱۹۱ھ میں پھلواری میں پیدا ہوئے جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ فقہ۔ تفسیر۔ طب۔ اصول حدیث۔ معقول۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ ہئیت و ہندسہ سب میں اعلیٰ دستگاہ حاصل کی تھی۔ ابتدا میں اپنی غزلیں اپنے چچا زاد بھائی مولوی شاہ محمد نورالحق طپاں کو دکھاتے تھے۔ دو دیوان ضخیم فارسی کے آپ کی یادگار سے مطبوعہ ہیں۔ ۲۴ محرم ۱۲۶۵ھ میں انتقال کیا ؎

نگاہ مست تیری کسقدر خونریز عالم ہو ‌ ‌ عبث آنکھوں کو تیری نرگس بیمار کہتے ہیں

عشق نے رسوا کیا یہاں تک مجھے ‌ ‌ نام سے میرے حیا کو ننگ ہو

فرقتی۔ سید علی بخش عرف سید امیر جان خلف سید کریم بخش مولد دہلی۔ بارہ برس کے سن سے اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ عظیم آباد میں

آکر اقامت اختیار کی۔ ابتدا میں میر محمد مہدی **عیشی** سے استفادہ سخن کیا۔ آخر میں ناظر وزیر علی **عبرتی** کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔

تازہ پامال خرام ناز بہر وش توام | من خراب جلوۂ سرو قبا پوش توام

کیا پوچھتے ہو ہم نفسو ماجرائے دل | کانٹا سا کچھ کھٹکتا ہی پہلو میں جائے دل

فیض۔ نواب جعفر حسن خان۔ خلف نواب محمد علی خاں رئیس عظیم آباد۔ شاگرد **مصحفی**۔ خط نستعلیق و شفیعا میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔

فیض اب اوس کو ندامت ہی نمک پاشی سے | تیرے زخموں نے عبث اوس پہ شکر خندہ کیا

رشتہ تسبیح اپنا ہو گیا تار نفس | ذکر ہو موقوف تیرا گر یہ دم بھر ٹوٹ جائے

مے پینے کی تہمت تو دے سکتا نہیں لیکن | آنکھوں میں گلابی سا ڈورا نظر آتا ہے

قصیر۔ امیر اللہ۔ باشندہ عظیم آباد۔ تحصیل علم کے لیے لکھنؤ گئے تھے اور فن شاعری میں مرزا فاخر **مکین** سے تلمذ اختیار کیا۔

رفتی عمت اے نگار باقی ست | داغ تو بیادگار باقی ست

افسوس کہ دست کوشش ما | از کار گذشت و کار باقی ست

گشتہ۔ مرزا محمد علی۔ متوطن عظیم آباد۔ تجارت پیشہ تذکرہ "آفتاب عالمتاب" کی تالیف کے زمانہ میں ان کی عمر پچاس سال کی تھی۔

بیشو در رنگیں ز خونِ غنچہ دامانِ نسیم چوں نگیرد نالۂ بلبل گریبانِ نسیم

لطف - مرزا علی ولد کاظم بیگ خاں ہجری تخلص۔ متوطن استر آباد۔ والدان کے ۱۱۵۴ھ میں نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان آئے۔ بقول مولف تذکرہ "سخن شعرا" مرزا علی لطف نے عظیم آباد کے اطراف میں سکونت اختیار کی تھی"۔ کچھ دنوں دکن میں نواب اعظم الامرا رستم جاہ کے یہاں ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار پہ ملازم رہے۔ کچھ دنوں لکھنؤ اور مرشد آباد میں بھی رہے۔ صاحب "گلشن بے خار" نے ان کو شاگرد میر تقی میر اور صاحب "سخن شعرا" نے شاگرد مرزا رفیع سودا لکھا ہے۔ مگر ان دونوں باتوں میں کسی کا ثبوت نہیں پایا جاتا۔

ان کا تذکرہ "گلشن ہند" جو زیادہ تر "تذکرہ گلزار ابراہیم" سے ماخوذ ہے ۱۲۱۵ھ میں مرتب ہوا۔ اور ریختہ کی قدیم نثر کا نمونہ ہے۔ ریختہ میں اس کے پیشتر کوئی تذکرہ سوائے تذکرہ شورش عظیم آبادی کے لکھا نہیں گیا تھا۔ —

دیکھ کل نبض مری رو کے لگا کہنے طبیب کبھی ہم نے تو یہ آزار نہ دیکھا نہ سنا

نہ پہونچی ضعف سے لب تک دعا وگرنہ سدا درِ قبول تو اس آرزو میں باز رہا

ہوگئی زنجیرِ پا اپنی وہ زلفِ پرشکن ورنہ دل تجھ سے کو دیتا کیا کوئی دیوانہ تھا

ساقی لگا دے خم مرے منہ سے کہ بار بار احساں نہ کھینچے سبو اور ایاغ کا

خاموشی ہماری کے تئیں سحر ہی جانو گو ہم کو لگا لینے کا ڈھب کچھ نہیں معلوم

مجنوں۔ باشندہ عظیم آباد۔ اُن کا نام اور کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ میر ضیا کے شاگرد تھے ؎

دن میں سو سو بار اوس کے روبرو جانا مجھے اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

محزوں۔ میر ناصر جان محمدی۔ خلف سید محمد نصیر رنج دہلوی۔ ریاضی میں کمال رکھتے تھے۔ عظیم آباد میں انتقال کیا اور دہلی میں مدفون ہوئے ؎

نہ تو نامہ ہے نہ پیغام زبانی قاصد حیف محزوں مجھے یاران وطن بھول گئے

محزوں۔ حکیم ابوالحسن۔ باشندہ عظیم آباد شاگرد راسخ۔ ۱۲۸۵ھ کے قریب انتقال کیا ؎

آشیاں اپنا اُٹھا لے یاں سے ورنہ عندلیب خندۂ گل ایکدن برق چمن ہو جائیگا

ہم تو چاہیں بھی کچھ اور سے تو وہیں کچھ چاہیں ماسوا اسکے نہیں کچھ کام طلبگاروں کو

محسن۔ خواجہ محمد محسن خلف خواجہ آفتاب احراری نقشبندی۔ رئیس عظیم آباد۔ شاگرد راسخ عظیم آبادی ؎

زاہد کو مرگ کا ہی تیرے منہ نہ موڑوں گا کبھی صوت غربال گر چھن کر یہ تن ہو جائیگا

[illegible] ادھر بھی ایک نظر دیکھ چلے پاس اغیار بیٹھا ہے تو ادھر دیکھ چلے

مشتاق۔ مرزا احمد۔ سید مشتاق احمد خاں کے داماد تھے۔

عظیم آباد میں آکر اقامت اختیار کی ۔ بقول مولف "حیات فریاد" ان کو
دیک خبط یہ تھا کہ اپنے کو حضرت مہدی آخرالزماں کا نائب کہتے تھے ۔
اور اس دعوی کی دلیل میں سنکھیا اور دیگر زہر چبا کر کھا جاتے تھے
اور زہر کے بعد چھپا کر فاد زہر پھانک لیتے تھے واللہ اعلم بالصواب ؎

پھنک دو چاہو جہاں قبر میں اب دھرنا کیا ۔ وہ جنازہ ہی نہ دیکھیں تو مرا مرنا کیا

منصف ۔ منصف علی خاں ۔ باشندہ عظیم آباد ۔ قوم افغان
شاگرد نظام خاں **معجز** ؎

خیال جائے ترا کیونکہ میرے سینے سے ۔ جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینے سے

مہدوی ۔ نواب مہدی علی خاں ۔ خلف نواب جعفر حسن
خاں **فیض** رئیس عظیم آباد ۔ شاگرد **راسخ** عظیم آبادی ؎

جب شگفتہ لالۂ خونیں کفن ہو جائے گا ۔ بے ستوں پر تازہ خوں کوہکن ہو جائے گا

ہے محیط اس مرتبہ تک فیض اوس نور کا ۔ ہر شرر ہے سنگ میں ہمسر چراغ طور کا

نثار ۔ میر افضل علی ۔ باشندہ عظیم آباد ؎

یہی خوف رہتا ہے بسمل کے دل میں ۔ ترحم نہ آجائے قاتل کے دل میں

لے صبا جا کے تو اتنی تو خبر کر کہ **نثار** ۔ آستانے پہ کھڑا ہے ترے سر ہاتھ میں ہے

وحید ۔ سید شاہ امیر الدین ؒ ابن حضرت سید شاہ ولی اللہ سجادہ نشین
حضرت مخدوم الملک ۔ بہار شریف ۔ ۱۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے

عظیم آباد میں آکر اقامت اختیار کی ۔ بقول مولف "حیات فریاد" ان کو ایک خبط یہ تھا کہ اپنے کو حضرت مہدی آخر الزماں کا نائب کہتے تھے ۔ اور اس دعوی کی دلیل میں سنکھیا اور دیگر زہر چبا کر کھا جاتے تھے اور زہر کے بعد چھپا کر فادزہر پھانک لیتے تھے واللہ اعلم بالصواب ۔

پھنک دو چا ہو جہاں قبر میں اب مر کیا ۔ وہ جنازہ ہی نہ دیکھیں تو مرا مرنا کیا

منصف ۔ منصف علی خاں ۔ باشندہ عظیم آباد ۔ قوم افغان شاگرد نظام خاں **معجز** ۔

خیال جائے ترا کیونکہ میرے سینے سے ۔ جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینے سے

مہدوی ۔ نواب مہدی علی خاں ۔ خلف نواب جعفر حسن خاں **فیض** رئیس عظیم آباد ۔ شاگرد **راسخ** عظیم آبادی ۔

جب شگفتہ لالۂ خونیں کفن ہو جائے گا ۔ بےستوں پر تازہ خوں کوہکن ہو جائے گا

ہے محیط اس مرتبہ تک فیض اوج نور کا ۔ ہر شرر ہے سنگ میں ہمسر چراغ طور کا

نثار ۔ میر افضل علی ۔ باشندہ عظیم آباد ۔

یہی خوف رہتا ہے بسمل کے دل میں ۔ ترحم نہ آجائے قاتل کے دل میں

اے صبا جا کے تو اتنی تو خبر کر کہ **نثار** ۔ آستانے پہ کھڑا ہے ترے سر ہاتھ میں ہے

وحید ۔ سید شاہ امیر الدین ؒ ابن حضرت سید شاہ ولی اللہ ؒ سجادہ نشین حضرت مخدوم الملک ۔ بہار شریف ۔ ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے

شعر گوئی کا ذوق کم سنی سے تھا۔ فارسی کے دو ضخیم دیوان مشتمل بر اصناف سخن چھپ چکے ہیں۔ آپ فارسی میں ظلوم اور اُردو میں وحید تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۲۸۷ھ میں ہوا۔

کلام اُردو کا مجموعہ ایک دیوان اور دو مثنویاں ہیں۔ اس مقام پر صرف اُردو غزلوں کا انتخاب درج ہے۔

جب تک کہ وحید فضل نے اسکے مدد نہ کی
سیدھا کسی سے طالع واژوں نہ ہو سکا

دھواں اُٹھا تھا نہ جب تک جگر سے عاشق کے
یہ پیچ و تاب کہاں زلف پر شکن میں تھا

بے یار کے جینے سے تو مرنا ہی بھلا ہے
اب جان میری تن سے نکل جا تو اچھا

وہ لوگ اُٹھ گئے جنہیں تھا پاس دوستی
اب دہر میں وفا کا فقط نام رہ گیا

کب دل میں حسن باطل یوں جلوہ گر رہیگا
گر شاہد حق اپنے پیش نظر رہیگا

تماشا ہے کہ جسکو چشم عالم سے نہاں پایا
اُسی کا جلوۂ حسن نہاں ہر میں عیاں پایا

رولایا چٹکیاں لے لیکے اتنا وحید پیری نے
لگا کے گدگدی جتنا جوانی نے ہنسایا تھا

بیقراری دل سے ہوں مجبور
اس میں کچھ اپنا اختیار نہیں

بند میری ہی زباں کیا یار کی محفل میں ہے
شمع سے پروانہ تک تو سب کی دل ہی دل میں ہے

مرے رونیکی حالت دیدہ یعقوب جانے ہے
حقیقت درد کی ہمدرد ہی کچھ خوب جانے ہے

وحشی۔ میر بخشی۔ متوطن دہلی۔ مقیم عظیم آباد

اپنے ملنے سے منع مت کر تو
اس میں بے اختیار ہے یہ دل

وحشتی - شاہ بخشش حسین - خلف شاہ احمد حسین - متوطن موضع تلاڑھ - ضلع عظیم آباد - مولد قصبہ شیخ پورہ - آباواجداد مشائخ عظام میں تھے - علم عروض و قوافی اور محسنات و بدایع میں کامل دستگاہ حاصل تھی - آخر عمر میں لکھنؤ گئے تھے اور کچھ دنوں کے بعد ۹ ماہ ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ کو وہیں انتقال کیا ؎

صد خضر سرِ چاہ زنخداں تو پابند ۔ یوسف بہ خمِ کاکلِ پیچاں تو پابند
ہیں مہرِ دلِ وحشتی خستہ کہ خونش ۔ تا حشر بہر گوشۂ داماں تو پابند

یاس - مولوی انور علی - مفتی عدالت قصبہ آرہ - ولد شیخ محمد حیات - شاگرد راسخ عظیم آبادی - مصوری و نغمہ پردازی اور ساز نوازی میں اچھی دستگاہ تھی - مگر بعد تحصیل علوم ان چیزوں سے کنارہ کش ہو کر کمال زہد و تقوی کے ساتھ اوقات بسر کرتے رہے - دیوان فارسی چھپ گیا تھا تقریباً ۱۲۸۰ھ میں انتقال کیا ؎

کیونکر کہیں میرے تئیں رسوا نہ کریں گے ۔ گر دیدہ و دل یہ ہیں تو کیا کیا نہ کریں گے
مرغانِ چمن سب ہی ثنا خواں ہیں گل کے ۔ پر یہ نہیں معلوم کدھر کان ہیں گل کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیسرا دور

طبقہ متوسطین

سنہ ۱۲۵۱ھ سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک

(بر ترتیب حروف تہجی)

احسن - ناظر علی احسن - ساکن علی گنج سیوان ضلع سارن - سال غدر میں صفیر بلگرامی کے شاگرد ہوئے - ایک واسوخت بھی ان کی تصنیف سے ہے۔ ع

اب ماہ تو تمہیں تو نہیں چاند عید کے
کوچہ میں کیوں ہجوم ہیں ارباب دید کے

احمد - سید احمد حسین رضوی عرف کلو میاں ولد سید رضا حسین رئیس عظیم آباد - کوچہ چوالال - سنہ ۱۲۹۲ھ میں صفیر بلگرامی سے تلمذ اختیار کیا۔ ع

نکلتی ہر صدا جب ناچنے میں تیر گھنگرو سے
رگوں میں بے خودوں کی خون قطرے قطرے اچھلے ہیں

آشنا - مولوی عبدالکریم - متوطن مونگیر - فوٹ ولیم

کلکتہ میں منشی تھے ۱۲۸۳ھ میں انتقال کیا۔

جو قطرہ خون کا مرے دل کے داغ سے ٹپکا ۔ تو گویا شعلہ تر ایک چراغ سے ٹپکا

احمد تقی میر جان علی ساکن مفتی گنج ضلع پٹنہ شاگرد

صفیر بلگرامی۔ شاہ غلام اصدق صاحب کے مرید تھے۔

ہم رکھتے ہیں دونوں عکس و آئینہ کی کیفیت ۔ رخ روشن وہاں اوس کا دل روشن یہاں اپنا

اصغر۔ سید محمد اصغر ابن سید حسین بلگرامی مقیم آرہ۔ سید محمد مہدی **خبر** بلگرامی کے بھانجے تھے۔ اور صاحب دیوان تھے حضرت **صفیر** بلگرامی سے تلمذ تھا۔

آج کہدیں گے ساری محفل میں ۔ بات جو ہم نے رکھی ہے دل میں

جگر سے خوں۔ دل سے آہ۔ آنسو دیدۂ تر سے ۔ خراب عشق کی جاری ہے یہ تحصیل گھر گھر سے

آصف۔ سید آصف حسین رئیس عظیم آباد۔ شاگرد مولانا **وحید** الہ آبادی۔

دل میں جو بے ثباتی دنیا کا ہو یقیں ۔ بھولے سے کوئی نام نہ لے عز و جاہ کا

اظہر۔ اظہر علی خاں متوطن داناپور۔

اُلٹے نقاب رخ سے جو اوس رشک ماہ کا ۔ کھل جائے عقدہ اشہد ان لا الہ کا

اکبر۔ سید محمد اکبر بلگرامی۔ مقیم آرہ۔ شاگرد **صفیر** بلگرامی سید محمد **اصغر** کے بڑے بھائی تھے۔

کہاں تک خواب غفلت میں ہو جاگو اے اکبر   وہ سو جاتے ہیں تکیہ میں جو سوتے تھے چھپر کھٹ میں

اکرام - سید اکرام الدین ساکن داؤد نگر علاقہ بہار شاگرد **صفیر** بلگرامی ہ

شہرہ یہ ہو رہا ہے زمین و زمن میں آج   ثانی نہیں کوئی مرا دیوانہ پن میں آج

الفت - لالہ اننت رام - متوطن عظیم آباد ہ

کچھ غم نہیں فراق کے روز سیاہ کا   ہے دل میں عشق ایک بت رشک ماہ کا

الٰہی - الٰہی بخش باشندہ عظیم آباد ہ

معشوق جانتا نہیں عاشق کے دل کا لطف   یوسف کو کیا مزا ہے زلیخا کی چاہ کا

امام - سید امام الدین - متوطن عظیم آباد محلہ لودی کٹرہ شاگرد مولانا **وحید** الہ آبادی ہ

روز حساب دیکھئے ہوتا ہے کیا حساب   جب کچھ یہاں حساب نہیں ہے گناہ کا

بھرتا ہیں اس کو خوب گل حسن یار سے   مشکل یہی ہے کہ تنگ ہے دامن نگاہ کا

امیر - سید امیر احمد بلگرامی - حضرت **صفیر** کے خالہ زاد بھائی اور شاگرد تھے ہ

کیا خبر اتنی تجھے او ستم ایجاد نہیں   آج پہلو میں ہمارے دل ناشاد نہیں

امیر - سید محمد نواب خلف نواب حاجی سید محمد تقی خاں صاحب رئیس اعظم مظفر پور ۱۲۸۷ھ میں **صفیر** بلگرامی کے شاگرد ہوئے

دیوان ردیف وار مرتب تھا ؎

جب بھٹکنے ہم لگے شہر تیاں میں اے امیر　　حضرت دل خضر بنکر راہ بتلانے لگے

انجم - مولوی عبدالحق - متوطن شیخ پور پرگنہ سکندرپور -

مرزا رجب علی بیگ **سرور** لکھنوی - مصنف "فسانہ عجائب" کے شاگرد تھے - نثر نگاری میں اچھی مہارت حاصل تھی - کنور سکھراج بہادر **رحمتی** نے ۱۸۶۷ء میں جو مشاعرے کئے تھے اون کے گلدستوں پر تقریظیں انہیں کی لکھی ہوئی ہیں ؎

ہے نہ تو بجلی میں نہ شعلے میں نہ سیماب میں ہے　　بے قراری جو ہمارے دل بے تاب میں ہے

انور - مرزا انور علی متوطن عظیم آباد - ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ؎

لائی نہ کبھی پیرہن یار کی خوشبو　　اے باد صبا چل مرے آگے سے ہوا ہو

ہر سمت سے ہو جلوہ نگن یار کی صورت　　آئینۂ خاطر میں اگر کچھ بھی جلا ہو

باقر - سید شاہ باقر حسین - خلف سید شاہ وارث علی **اشکی** - متوطن موضع پیر بیگہ ضلع گیا - فارسی کے ذی کمال شاعر تھے حضرت **غالب** سے تلمذ تھا - یہ اشعار ان کی طرف منسوب ہیں ؎

شکل تصویر ہو خاموش تماشا کیا ہے　　بیٹھے بیٹھے کھچے جاتے ہو یہ نقشہ کیا ہے

تمہاری دید کی حسرت میں دیکھو جان جائیگی　　کھلی رہجائیگی آنکھیں نکل جائیگا دم اپنا

کلیجہ تھامے ہاتھوں سے مرے گھر روز آؤ گے　　کسی دن تو اثر دکھلائیگا اندوہ و غم اپنا

باقر۔ باقر حسین۔ اصل نام وجیہہ الدین ہے۔ شاگرد
حضرت وحید الہ آبادی ؎

دیر و حرم سے جس کا زیادہ ہو مرتبہ   سنتے ہیں دل ہو نام اوسی بارگاہ کا

باقر۔ منشی باقر رضا ولد قاضی اکبر علی منصف پٹنہ۔
مولوی عصمت اللہ آلنسخ[1] کے شاگرد تھے ؎

روز وعدہ کرتے ہو آنے کا پر آتے نہیں   قول کب پورا ہو صاحب تم سے فقرہ باز کا

باقر۔ سید باقر حسین رئیس مظفرپور ۱۳۰۸ھ میں صفیر
بلگرامی کے شاگرد ہوئے ؎

ہچکیاں آتی ہیں پیہم دم فریاد مجھے   ہم صفیروں نے کہیں آج کیا یاد مجھے

بحر۔ نواب احمد علی خاں رئیس عظیم آباد محلہ سنگی دالان
ناسخ سے تلمذ تھا ؎

کشتی نوح بھی آئے تو نہ ساحل ہو نصیب   دیدۂ تر نے کیا میرے وہ طوفاں پیدا

[1] مولوی عصمت اللہ آلنسخ متوطن ہوگلی۔ مولوی عبد الغفور نساخ کے شاگرد تھے۔ رسالہ "طومار اغلاط" جس میں تمام اساتذہ لکھنؤ کے کلاموں پر اعتراضات ہیں انہیں کی تصنیف سے ہے ؎

جلوہ گر زلف ہے اس یار کے رخسار وں پر   یا کہ گھنگھور گھٹا چھائی ہو گلزاروں پر
لخت دل ہیں سر مژگاں پہ عیاں اے آلنسخ   پھول لالہ کے نمودار ہیں یا خاروں پر

بلدر - راجہ گنگا پرشاد - رئیس عظیم آباد - شاگرد گل محمد خاں **ناطق** مکرانی ؎

ناخدا ترس بتاں اند کہ از سنگدلی ۔۔۔ شیشۂ دل بشکستند و بہاتم دادند

بسمل - منشی منولعل - متوطن عظیم آباد - قوم کایستھ [۱]

دیکھا کبھی نہ بھر نظر اس خوف سے ادہیں ۔۔۔ دھبا لگے نہ گورے بدن پر نگاہ کا

بشیر - منشی بشیر الحق - رئیس قصبہ باڑھ - ضلع عظیم آباد شاگرد حضرت **وحید** الہ آبادی ؎

زخمی ہوا ہے پھر کوئی تیغ نگاہ کا ۔۔۔ سنتے ہیں آج دیر سے غل آہ آہ کا

بیجان - شیخ الٰہی بخش - دانا پور میں ڈاکٹری کرتے تھے حافظ **ضیغم**[۱] کے شاگرد تھے ؎

شاعروں کی ہمت پر آسماں بھی حیراں ہے ۔۔۔ یعنی وہ بدلتے ہیں جب زمیں پرانی ہو

بیکس - مرزا احمد - ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا - سید انشاء اللہ خاں کی ہجو میں یہ رباعی ان کی طرف منسوب ہے ؎

---

[۱] حافظ اکرام احمد ضیغم - متوطن رام پور - تلمیذ احمد حسین راحت بڑے نامور اور باکمال شاعر تھے - اردو اشعار میں صنائع و بدائع جسقدر ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں کمتر شعرا کے کلام میں دیکھے گئے - صوبہ بہار و بنگال میں انکے شاگردوں کی بہت کثیر تعداد تھی - پچاس برس کی عمر میں ۱۳۲۴ھ میں انتقال کیا۔

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ ۔ سب کہتے ہیں زیادہ ہوں گے انشاء اللہ
باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں ہیچ ۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ

پریشاںؔ ۔ شاہ محمد واجد خلف شاہ تراب الحق داناپور کے پیرزادوں میں تھے ۔ مولوی ذاکر علی ذاکرؔ بنارسی سے تلمذ تھا ؎

دل بنا ہی سنگ مقناطیس مجھ ناشاد کا ۔ تا نہ طرف غیر جائے تیر اوس صیاد کا
خوب ای شیخ ریاکار بنا ہی توبہ ۔ دل میں وہ بت ہے زباں پر ہے الٰہی توبہ

حکیم مولانا عبدالحمید پریشان

پریشاںؔ ۔ تخلص ۔ عبدالحمید نام ۔ ابن مولانا احمد اللہ صاحب جعفری زینبی ۔ ۸ شوال ۱۲۴۵ھ روز چہارشنبہ کو محلہ صادقپور میں پیدا ہوئے ۔ آپ نے اوائل کی کتابیں اپنے چچا مولانا فیاض علیؒ سے پڑھیں جب مولانا مرحوم نے سفر افغانستان اختیار کیا تو اپنے والد ماجد سے کتب درسیہ کی تکمیل کی ۔ پھر تقریباً ۲۶ سال کی عمر میں لکھنؤ گئے اور وہاں مولوی واجد علی صاحب سے فراغ حاصل کیا اور حکیم طالب علی مرحوم سے علم طب کی تکمیل کی ۔ اسی اثنا میں غدر کا ہنگامہ برپا ہو گیا ۔ آپ کا کل اسباب و پوشاک اور کتابیں سب لٹ گئیں ۔ بہ ہزار خرابی لکھنؤ سے اپنے وطن مالوف کو واپس آئے ۔

آپ کے والد ماجد مولانا احمد اللہ صاحب اور ان کا خاندان علمی اور تاریخی دونوں حیثیت سے ہندوستان میں ممتاز رہا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب گورنمنٹ کی طرف سے وہابیوں پر مقدمہ بغاوت دائر ہوا تو اسی سلسلہ میں آپ کے والد ماجد مولانا احمد اللہ صاحب کو بھی ۱۸۶۵ء مطابق ۱۲۸۱ھ میں مع دیگر اراکین صادقپور کے حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ اور موروثی جایدادیں بھی ضبط ہو گئیں تو آپ نے محلہ خواجہ کلاں میں سکونت اختیار کی۔

آپ کو معقول و منقول دونوں میں بہرۂ کامل حاصل تھا۔ علم ادب میں ایسی اعلیٰ دستگاہ تھی کہ سولہ برس کی عمر میں عربی میں دو قصیدے۔ ایک نعت میں۔ اور ایک امام وقت حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ بریلوی کی مدح میں لکھے تھے۔ جن کی علمائے ہند نے داد و تحسین دی۔ دور گذشتہ میں جتنے لوگ اہل صادقپور میں ذی علم تھے وہ سب آپ ہی کے خرمن علم کے خوشہ چیں تھے۔ درس و تدریس کا شوق آخر عمر تک رہا۔ ذہن و ذکا اور طبی معلومات میں بھی مشہور آفاق تھے۔ علوم عربیہ کے ساتھ طب قدیم کا فیض اسوقت تک اس دیار میں آپ کی ذات بابرکات سے جاری ہے۔ آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ دونوں نواسوں یعنی حکیم فہیم الدین احمد فہیم

مرحوم۔ اور ڈاکٹر عظیم الدین احمد عظیم سلمہ اللہ تعالیٰ کو بجائے اولاد کے سمجھتے تھے۔

فطرتاً معصوم صفت ایسے واقع ہوئے تھے کہ ہر شخص کی ہر بات پر اعتبار اور یقین کامل کر لیتے تھے۔ بعض لوگ محض جھوٹ باتیں بنا کر ان سے رقم کثیر حاصل کر لیتے تھے۔ اسی کے ساتھ طبیعت نکتہ رس اور لطیفہ سنج بھی تھی۔ ایک مرتبہ کوئی سائل دروازہ پر چلا کر کہنے لگا کہ ایک پیسہ بھیجدو تمہاری ستر بلا ٹل جائیگی۔ تو ہنسکر کہنے لگے کہ ایک بلا تو تم ہی ہو۔

صاف باطنی اور صاف گوئی کے باعث کوئی ان کا شاکی نہ ہوتا تھا۔ وضع قطع اور لباس بالکل سادہ قدیمانہ طرز کا تھا اوسط قد۔ رنگت سرخ و سفید۔ جسم پر بعض جگہ برص کے سفید داغ بھی تھے۔ نورانی چہرہ۔ فرشتہ صورت۔ سر پہ چوگوشیہ ٹوپی اوسپر عمامہ پُرانی وضع کی چپکن اور عبا۔ ٹخنوں سے اونچا خلطہ دار پاجامہ۔ پاؤں میں دیسی دلّی وال جوڑے۔ راقم کے بزرگوں سے راہ و رسم اور آمد و رفت برابر رہا کرتی تھی۔ ۸۰ برس کی عمر پا کر ۵ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۷ اگست ۱۹۰۵ء روز دوشنبہ کو اس دار فانی سے انتقال کیا۔

شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ عربی فارسی اور اردو تینوں

زبانوں میں فکر سخن کیا ہی عربی میں ایک قصیدہ جو ندوۃ العلماء کے اجلاس عظیم آباد میں پڑھا گیا تھا چھپ گیا تھا۔ فارسی میں متفرق غیر مطبوعہ مثنویاں مثلاً مثنوی پان۔ مثنوی در وصف قلم مثنوی فسانہ جانگداز۔ مثنوی جام و مینا۔ مثنوی طعن الحاسدین وغیرہ راقم الحروف کی نظر سے گذریں جنکو ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب عنقریب طبع کرانے کا قصد رکھتے ہیں۔

اُردو کا کلام زیادہ تر تلف ہو گیا۔ آخری دور میں اخبار پنچ میں اکثر آپکی نظمیں اور ساقی نامے وغیرہ دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔ اب غزلوں کا انتخاب ملاحظہ ہو

گلوں کو پھول گئی دیکھکر چمن میں صبا
بس اب سماتی نہیں اپنے پیرہن میں صبا

اُلجھ کے رہ گئی گیسوئے پرشکن میں صبا
خدا کی شان ہی لو بندھ گئی رسن میں صبا

ہوئے کاکل مشکیں میں ہو گئی برباد
بگولا بنکے پڑی پھرتی ہے چمن میں صبا

زمین تنگ میں رُکتی نہیں ہی طبع رواں
کسی سے بندھ نہیں سکتی کبھی رسن میں صبا

تو زدشت میں آئے تو حال ہو معلوم
یہ ٹھنڈی گرمیاں کرتی رہے چمن میں صبا

لپٹ لپٹ کے پتوں سے دیتی ہی واہ واکی صدا
جواب دیتی ہی بلبل کا ہر سخن میں صبا

تو بادیائی میں بس اوس کی ہمسری کرلے
وہ شوخی تجھ میں کہاں جو کہ ہی ہرن میں صبا

عجب دماغ سے چلتی ہے سیر گلشن میں
تراشتی ہے کچھ اپنے کو بانکپن میں صبا

مرگ مرگ تا مرادی زندگی سوز و الم
کون ہی صورتایں ہیبو د چراغ کشتہ ہے

الحذر ای ساکنان سقف گردوں الحذر
دود دل ہی یہ نہیں دود چراغ کشتہ ہے

وہ غنچہ لب ہنسا تو کھلا مثل گل دہن
شیشہ جو کھلکھلا کے ہنسا جام ہو گیا

قاصد کے ہاتھ چومے جو بوسہ کیا طلب — پیغامِ بوسہ۔ بوسہ یہ پیغام ہوگیا
کیا بڑھ چلا ہی مرتبہ اب خالِ چشم کا — یہ تل کا تیل روغن بادام ہوگیا
ساتھ اپنے لے چلے دمِ آخر خیالِ یار — اب آؤ یا نہ آؤ مرا کام ہوگیا
نامِ خدا صنم ہے مرا برہمن پسر — لچھمن کو پیار۔ ہم نے کیا رام ہوگیا

بے فایدہ اُلجھتا ہے زلفیں یار سے — ایک روز شانہ پائیگا دنداں شکن جواب
چپکا سا کیوں کھڑا ہی قدِ یار دیکھکر — دیتا تو اب نہیں مجھے سرو چمن جواب
اس کی نظیر ہے نہ تو اوس کا جواب ہی — ہی یار کی کمر کا اوسی کا دہن جواب

پیار وہ کرتے ہی خفا ہوگیا — ہائے میں کیا سمجھا تھا کیا ہوگیا
دل مرے پہلو سے جدا ہوگیا — ہائے مرے اللہ یہ کیا ہوگیا
مر کے جو قاتل کے قدم پر گرا — سجدۂ شکرانہ ادا ہوگیا
قتل پہ میرے او نہیں رحم آگیا — دستِ ستم دستِ دعا ہوگیا

تحریرتے سرمہ کی کیا قتل جہاں کو — اس کاٹ کی دیکھی نہیں بیمار کی تلوار
بندے ہوئے اوس بت کے سبھی شیخ و برہمن — اب میاں میں ہی کافرِ دیدار کی تلوار
جوہر ہے وہ کھتی سبز پری خوں میں نہا کر — لو لال پری ہوگئی اب یار کی تلوار
چال اون کی ترم تیغ ہی قتالِ جہاں ہی — رفتار کی رفتار ہی تلوار کی تلوار

ایک اپنے ہی نہ توڑوں ہی قفس کی تیلیاں — بس چلے تو توڑدوں دو چار دس کی تیلیاں
مرغِ جاں ہی قید تن میں جبتلک آتی ہی سانس — ہیں قفس میں جسم کے تارِ نفس کی تیلیاں

کیا یہ پریشاں کا پوچھتے ہو حال
مر گیا وہ تمہیں خبر ہی نہیں

رباعی

بیدل یہ نشاط کامرانی کبتک
شعر و سخن و فسانہ خوانی کبتک
لائے گا درد سر خمار پیری
یہ نشۂ بادۂ جوانی کبتک

نمونہ کلام فارسی

قامت افراز نیازم بہ خمیدن بے تاب
بسمل خنجر نازم بہ طپیدن بے تاب
شب یلدائے فراقم ز گذشتن مایوس
صبح محرومی و یاسم بہ دمیدن بے تاب
دیدۂ پر ز سرشکم بہ گرستن لبریز
سینۂ با ہمہ داغم بہ کفیدن بے تاب
دست بربستۂ عجزم ز رسیدن کوتاہ
پائے بشکستۂ شوقم بہ دویدن بے تاب

زسال نوجہاں پرضو۔ زمیں پر غو زخلیا گر
چمن گلرو۔ سمن خوشبو۔ زمن نیکو۔ دمن احمر
زہے فرخندہ ترسالے۔ زہے سال نکو فالے
بعالم نیست بد حالے۔ کہ باشد در الم مُضطر
نشاط و خرمی چیرہ۔ الم را چشمہا خیرہ
جفا را روزہا تیرہ۔ جہاں را در جہاں تسکر
زفیض مقدمش برما۔ خنک شد علیشہ سرما
زر شکش در دل گرما۔ ہمہ آتش ہمہ آذر
چہ کہسار و چہ دشت و شخ۔ فتادہ برف و بستہ یخ
ز زمہرو آتش دوزخ۔ خنک سکان بحر و بر
چمن ترازہ فورتم۔ بہ بوستہا از ودررم
یخ گلہا پر از شبنم۔ چہ شبنم دانۂ گوہر
زہے فرخندہ سال تو۔ و ہر کس وصف و لشنو
زہے سال ہما پرتو۔ زہے سال ہمایوں فر

تائب۔ منشی بھگوان دین۔ ولد منشی منگل سین قوم کائستھ ساکن اُردیا ضلع پورنیہ۔ تلمیذ منشی شنکر لال ضیا نذر دی ۱۲۷۱ھ میں ۵۲ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم   پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں
ڈھونڈتا ہوں اونھیں جواے تاؔبؔ   خانۂ دل میں وہ نکلتے ہیں

تبارک۔ تبارک حسین ابن میر قاسم علی باشندہ سہسرام۔ شاگرد ناسخ ہ

فرقت دلدار میں دل بھی ہوا مجھسے جدا   جس کو اپنا جانتا تھا حیف بیگانہ ہوا

تحسین۔ سید حبیب اللہ متوطن عظیم آباد ہ

جو کچھ ملا بہت ہے قناعت پسند ہوں   یہ بوریا فقیر کا ہے تخت شاہ کا

تسکین۔ نام معلوم نہیں عظیم آباد میں رہتے تھے ہ

کعبہ گئے کنشت گئے دیر ہم گئے   واں بھی نشاں نہ پایا تری جلوہ گاہ کا

تسلیم۔ میاں مہدی بخش۔ عدالت بھاگلپور میں محرر تھے
حضرت فریاد سے تلمذ تھا۔ ناسخ کے مقابلے کے خیال سے ناسخ
کے رنگ میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ دیوان ردیف وار مرتب تھا ہ

یہ داغ سینہ اور یہ چشم گریاں دیکھتے جاؤ   چمن کی سیر کر لو ابر و باراں دیکھتے جاؤ

تا فلک پھیل گیا آب مرے رونے سے   کف بنا پنبۂ مہتاب مرے رونے سے

تقی۔ سید محمد تقی۔ متوطن عظیم آباد۔ شاگرد نواب
مہدی علی خاں مہدی ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ہ

اتنا اثر تو نالہ و فریاد میں ہوا   پوچھا پتہ جو اوس نے مرے گھر کی راہ کا

تمکین۔ میر سعادت علی۔ وطن اصلی عظیم آباد تھا۔ غدر سے

چند سال پیشتر دہلی چلے گئے تھے۔ تقریباً ۱۲۱۵ھ کی پیدائش تھی سہ

گرسنہ ہی ہی تکمہ میں تری مے کے پینے کی احتیاج نہیں

نام تمکین ہوا تو کیا ہمدم رات دن بے قرار رہتا ہوں

تمکین۔ میر عبدالحکیم۔ متوطن قنوج۔ مقیم عظیم آباد۔ جناب حکیم ہادی حسن خاں صاحب نایاب کے یہاں اکثر بود و باش رہتی تھی۔ شعر فی البدیہہ کہتے تھے سہ

کیا کیا کنوئیں جھکائے ہیں مجکو فراق میں یارب بُرا ہو چاہ زنخداں کی چاہ کا

یوں بھی کوئی نکھر کے نکلتا ہے سیر کو دیکھو تو پھر کے حال ہے کیا اہل راہ کا

خود گڑ گئی زمیں میں لاش اپنی بعد مرگ قاروں کا مال تھا کہ ذخیرہ گناہ کا

کیا بیاں کیجئے کس کس سے رقابت نکلی ایک جہاں کو بت عیّار سے اُلفت نکلی

اوس کی تقریر بھی خالی نہیں عیاری سے جو کہی بات تہہ محتاج صراحت نکلی

کل جو اک قبر پہ دیکھا تھا ہجوم حسرت وہ ترے عاشق ناکام کی تربت نکلی

تمنا۔ سید بندہ حسن برادر اکبر سید امیر احمد امیر۔ شاگرد صفیر بلگرامی سہ

قلم کرے جو مرا سر وہ تیغ براں سے کبھی نہ پاؤں ہٹاؤنگا اپنے میداں سے

تمنا۔ مرزا علی رضا۔ متوطن عظیم آباد سہ

آتا نہیں میں آپ سے کوچہ میں یار کے لاتا ہے کھینچکر مجھے بے اختیار دل

توقیر۔ میر عبدالعلی۔ متوطن قنوج پیشہ خوشبو سازی۔ غدر کے پیشتر سے عظیم آباد میں مستقل طور پر سکونت پذیر تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔ مرثیہ تحت لفظ بھی

پڑھتے تھے۔ میر علی اوسط رشک لکھنوی کے شاگردوں میں تھے۔

جب سے طوفاں خیز میرا دیدۂ تر ہو گیا
مردم آبی کے رہنے کے لئے گھر ہو گیا

رکھی جمعیت پروانہ بے غسل و کفن
شمع کا منہ آنسوؤں سے بزم میں تر ہو گیا

ثاقب ۔ راجہ جے گوپال سنگھ بہادر۔ رئیس عظیم آباد تھے۔

لذت وصف دہانش بہ زبانم دادند
آب حیواں بہ دہانم ز بیانم دادند

جادو۔ سلیمان خاں۔ خلف حیدر خاں۔ ساکن کواتھ ضلع آرہ مقیم گیا۔ اکثر سلیمان تخلص بھی کرتے تھے صاحب دیوان و صاحب تلامذہ تھے۔ مولوی کیفی گیاوی سے تلمذ تھا۔

کنج قفس میں اب بھی خواہش ہے اے نسیم
ایکبار اور دیکھتے عالم بہار کا

کیا آئیگا لحد پہ ہمارے وہ شعلہ رو
ہنستا ہے کیوں چراغ ہمارے مزار کا

بلبلو مجھ دل جلے کو ہے کسی سے کام کیا
آگ گلشن میں لگے یا گھر جلے صیاد کا

زمانے کا جھکا سر دیکھتا ہوں
ادب آموز قاتل کی گلی ہے

جنوں ۔ مولوی عبد اللہ۔ خلف مولوی سرفراز علی منصف۔ باشندہ بھاگلپور۔ عہدہ صدر اعلیٰ پر ممتاز تھے۔ مرزا جان طپش سے تلمذ تھا۔ بیشتر فارسی کہتے تھے۔

رُخ سے اُٹھی نظر تو پڑی جا کے زلف پر
ٹھہرے ہے شام ہی کو مسافر پگاہ کا

جنوں - مولوی عبدالحق خلف مولوی واعظ الحق صاحب مرحوم رئیس عظیم آباد محلہ بخشی - مشورہ سخن حضرت شاد عظیم آبادی سے کیا تھا ؎

گر دل میں نہیں ہے عشق کی آگ
سینہ میں ہے کیوں جلن ہمیشہ
ہم سے نہ کبھی وہ ہنسکے بولے
ماتھے پہ رہی شکن ہمیشہ

جوشش - شاہ خلیل الدین احمد خلف شاہ محمد اصغر باشندہ منیر - رجسٹری ضلع مونگیر میں محرر تھے - شاعری میں نساخ[1] کے شاگرد تھے - ۱۲۷۵ھ کے بعد تک موجود تھے ؎

ساری دنیا سے بے خبر پایا
جس کو عالم میں باخبر دیکھا
مرا خط لاکے دے قاصد عدو کو
یہی تقدیر کا میرے لکھا ہے

---

[1] مولوی عبدالغفور خاں نساخ ڈپٹی مجسٹریٹ ولد قاضی فقیر محمد مولف جامع التواریخ بنگالہ کے رہنے والے نواب محمد عبداللطیف خاں بہادر سی، آئی۔ ای کے برادر خورد تھے۔ عظیم آباد اور صوبہ بہار کے دیگر شہروں میں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں عرصہ دراز تک مقیم رہے۔ لکھنؤ اور دلی بھی گئے تھے۔ تذکرہ "سخن شعرا" ۱۲۹۱ اور اردو کے دو دیوان اور گنج تواریخ۔ شاہد عشرت۔ مرغوب دل۔ قند پارسی۔ دفتر بے مثال۔ اور قطعہ منتخب وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ صوبہ بہار و بنگال میں ان کے شاگردوں کی تعداد بھی بیسیوں سے متجاوز تھی۔ حافظ رشید النبی وحشت اور حافظ اکرام احمد ضیغم سے کسب سخن کیا تھا ؎

(بقیہ صفحہ ۱۰۰ پر)

جوہر۔ میر مشرف علی۔ متوطن عظیم آباد ہے

ضبط کیا آہ شرربار کو ۔ سینہ و دل برق کا گھر ہوگیا

جویا۔ شیخ علی حسن ولد شیخ فتح علی عظیم آبادی۔ قدسیہ محل (زوجہ نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ) کی آتو صاحبہ کے نواسے تھے۔ اس سلسلہ سے لکھنؤ جانا ہوا۔ اوس زمانے میں ان کا اور ایک اور شخص قادر علی خاں کا بہت دور دورہ ہوا۔ چندے کانپور میں بھی مقیم رہے۔ پھر اپنے وطن کو واپس آئے۔ رشک لکھنوی سے تلمذ تھا۔ صاحب دیوان تھے ہے

کیا خاک بوے چاہے کوئی دردہجر میں ۔ مہر خموشی لب عاشق ہے داغ دل

حامد۔ گھمنڈی لال۔ باشندہ مونگیر۔ شاگرد حافظ ضیغم ہے

نامہ شوق رقم کرتا ہوں اوسکو حامد ۔ کیوں نہ دود دل مشتاق کبوتر بنجائے

شمس العلما مولانا حاجی شاہ محمد سعید حسرت ابن حاجی مولوی واعظ علی صاحب مرحوم۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۳۱ھ میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۹) بے جرم تم نے قتل کیا مجکو اے بتو ۔ اللہ جانتا ہو کہ میں بے قصور تھا

ہر کام حسب خواہش ہوتا تھا وہ بھی دن تھے ۔ طوفان نوح میری کشتی کا ناخدا تھا

طلب وصل پر ایک نا تردد اسے آخر ۔ لب پہ اقرار بھی آیا تو تبسم ہوکر

بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ جا کر مولانا حسن علی سے سند حدیث و تفسیر حاصل کی۔ پھر کانپور میں مولانا شاہ محمد سلامت اللہ کشفی کی خدمت میں ایک مدت تک رہکر دستار فضیلت حاصل کی ۱۲۵۵ھ میں کانپور سے مراجعت فرما کر اپنے دولتکدہ کو رونق بخشی۔ بہترے علما نے آپ سے فراغ حاصل کیا اور بیسوں نے سند حدیث آپ سے حاصل کی ۱۲۶۲ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۰۳ھ میں گورنمنٹ عالیہ نے بھی "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ ۳ شعبان ۱۳۰۷ھ کو اس جہان سے رحلت کی۔ نہایت حلیم و سلیم اور صاحب مروت و سخاوت تھے۔ لوگوں کے ساتھ نہایت پوشیدہ سلوک کرتے تھے اور رخصت کے وقت۔ خصوصاً اہل علم کے ساتھ اکثر سو روپے سے زیادہ سے سلوک کیا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا اور بہت سے طلبا کی جاگیریں اپنے یہاں مقرر کیں۔ اپنی تمام عمر کو درس و تدریس اور گوشہ نشینی اور ورد و وظائف میں بسر کیا۔ شاعری کا مذاق ابتدائے عمر سے تھا۔ تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ فارسی میں دو دیوان مطبوعہ "قسطاس البلاغۃ" و "مقصد البلاغۃ" آپ کی یادگار سے ہیں۔ عربی میں بھی کچھ کلام موجود ہے۔ اردو میں بہت کم شعر کہتے تھے۔ فارسی میں حسرت اور اردو و عربی میں سعید تخلص فرماتے تھے۔ یہ نمونہ کلام ہے ۔

کیا تڑپ کر دل مجروح نے کی بے لطفی — خوں سے تر دامن قاتل نہ ہوا تھا سو ہوا
پا گیا عشق مجازی سے حقیقت کو سعید — للہ الحمد کہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

بہے ہیں اشک خوں رشک حنائے پائے یار پر کیا کیا — پسے عشاق کے دل دست پائے یار پر کیا کیا
خدا ہی جانے کب یہ غنچہ امید وا ہوگا — بندھی ہے ٹکٹکی بند قبائے یار پر کیا کیا
دکھا کر جلوہ اپنا کر دیا ہر شی سے مستغنی — حسد ہے بادشاہوں کو گدائے یار پر کیا کیا
تجلی کی جو شمع طور کی مانند رات اوس نے — بنا پروانہ دل اپنا لقائے یار پر کیا کیا
رہا محروم میں ہی خوبی مقسوم سے ورنہ — لٹی دولت در دولت سرائے یار پر کیا کیا
کوئی برچھی اٹھاتا ہے کوئی تیغ آزماتا ہے — ستم اغیار کے ہیں مبتلائے یار پر کیا کیا
سمجھ رکھا ہے گلزار جہاں نار جہنم کو — خلیل آسا میں راضی ہوں رضائے یار پر کیا کیا

واقف سر نہاں ہوں کیا کہوں — میں تو گونگے کی زباں ہوں کیا کہوں
سوز دل سے جل اٹھی آخر زباں — شمع ساں روشن بیاں ہوں کیا کہوں
واجب و ممکن میں ہے ایک ربط خاص — رازدار کن فکاں ہوں کیا کہوں

حسرتی ۔ لالہ بندا پرشاد ۔ ولد لالہ مہاراج سنگھ وکیل عدالت دیوانی ۔ متوطن عظیم آباد ۔ محکمہ صدر اعلائی میں ڈگری نویسی کی خدمت پر مامور تھے ۔ فن شاعری میں ناظر وزیر علی عبرتی سے تلمذ تھا ۔

ای حسرتی از حرف ہمہ سوز تو دل سوخت — پرکالہ آتش کہ زباں در دہن ست ایں

حشمت ۔ مولوی ابو الفضل ۔ آرہ ٹون اسکول میں ہڈ مولوی تھے

بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ جا کر مولانا حسن علی سے سند حدیث و تفسیر حاصل کی۔ پھر کانپور میں مولانا شاہ محمد سلامت اللہ کشفی کی خدمت میں ایک مدت تک رہکر دستار فضیلت حاصل کی ۱۲۵۵ھ میں کانپور سے مراجعت فرما کر اپنے دولتکدہ کو رونق بخشی۔ بہترے علما نے آپ سے فراغ حاصل کیا اور بیسوں نے سند حدیث آپ سے حاصل کی ۱۲۶۲ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۰۲ھ میں گورنمنٹ عالیہ نے بھی "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ ۳ شعبان ۱۳۰۲ھ کو اس جہان سے رحلت کی۔ نہایت حلیم و سلیم اور صاحب مروت و سخاوت تھے۔ لوگوں کے ساتھ نہایت پوشیدہ سلوک کرتے تھے اور رخصت کے وقت۔ خصوصاً اہل علم کے ساتھ اکثر سو روپئے سے زیادہ سے سلوک کیا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا اور بہت سے طلبا کی جاگیریں اپنے یہاں مقرر کیں۔ اپنی تمام عمر کو درس و تدریس اور گوشہ نشینی اور اوراد و وظائف میں بسر کیا۔ شاعری کا مذاق ابتدائے عمر سے تھا۔ تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ فارسی میں دو دیوان مطبوعہ "قسطاس البلاغۃ" و "مقصد البلاغۃ" آپ کی یادگار سے ہیں۔ عربی میں بھی کچھ کلام موجود ہے۔ اُردو میں بہت کم شعر کہتے تھے۔ فارسی میں حسرت اور اُردو و عربی میں سعید تخلص فرماتے تھے۔ یہ نمونہ کلام ہے ۔

بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ جاکر مولانا حسن علی سے سند حدیث و تفسیر حاصل کی۔ پھر کانپور میں مولانا شاہ محمد سلامت اللہ کشفی کی خدمت میں ایک مدت تک رہکر دستار فضیلت حاصل کی ۱۲۵۵ھ میں کانپور سے مراجعت فرماکر اپنے دولتکدہ کو رونق بخشی۔ بہتیرے علماء نے آپ سے فراغ حاصل کیا اور بیسوں نے سند حدیث آپ سے حاصل کی ۱۲۶۲ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۰۳ھ میں گورنمنٹ عالیہ نے بھی "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ ۳ شعبان ۱۳۰۴ھ کو اس جہان سے رحلت کی۔ نہایت حلیم و سلیم اور صاحب مروت و سخاوت تھے۔ لوگوں کے ساتھ نہایت پوشیدہ سلوک کرتے تھے اور رخصت کے وقت۔ خصوصاً اہل علم کے ساتھ اکثر سو روپیے سے زیادہ سے سلوک کیا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا اور بہت سے طلبا کی جاگیریں اپنے یہاں مقرر کیں۔ اپنی تمام عمر کو درس و تدریس اور گوشہ نشینی اور وعظ و وظائف میں بسر کیا۔ شاعری کا مذاق ابتدائے عمر سے تھا۔ تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ فارسی میں دو دیوان مطبوعہ "قسطاس البلاغۃ" و "مقصد البلاغۃ" آپ کی یادگار سے ہیں۔ عربی میں بھی کچھ کلام موجود ہے۔ اردو میں بہت کم شعر کہتے تھے۔ فارسی میں حسرت اور اردو و عربی میں سعید تخلص فرماتے تھے۔ یہ نمونہ کلام ہے ۔

کیا تڑپ کر دل مجروح نے کی بے لطفی — خوں سے تر دامن قاتل نہ ہوا تھا سو ہوا
پا گیا عشق مجازی سے حقیقت کو سعید — للہ الحمد کہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

بہے ہیں اشک خوں رشک حنائے یار پر کیا کیا — پسے عشاق کے دل دست پائے یار پر کیا کیا
خدا ہی جانے کب یہ غنچہ امید وا ہوگا — بندھی ہے ٹکٹکی بند قبائے یار پر کیا کیا
دکھا کر جلوہ اپنا کر دیا ہر شی سے مستغنی — حسد ہے پادشاہوں کو گدائے یار پر کیا کیا
تجلی کی جو شمع طور کی مانند رات اوس نے — بنا پروانہ دل اپنا لقائے یار پر کیا کیا
رہا محروم میں ہی خوبی مقسوم سے ورنہ — لٹی دولت در دولت سرائے یار پر کیا کیا
کوئی برچھی اٹھاتا ہے کوئی تیغ آزماتا ہے — ستم اعدا کے ہیں مبتلائے یار پر کیا کیا
سمجھ رکھا ہے گلزار جناں نار جہنم کو — خلیل آسا میں راضی ہوں رضائے یار پر کیا کیا

واقف سر نہاں ہوں کیا کہوں — میں تو گونگے کی زباں ہوں کیا کہوں
سوز دل سے جل اٹھی آخر زباں — شمع ساں روشن بیاں ہوں کیا کہوں
واجب و ممکن میں ہے ایک ربط خاص — رازدار کن فکاں ہوں کیا کہوں

حسرتی - لالہ بندا پرشاد - ولد لالہ مہاراج سنگھ وکیل عدالت دیوانی - متوطن عظیم آباد - محکمہ صدر اعلائی میں ڈگری نویسی کی خدمت پر مامور تھے - فن شاعری میں ناظر وزیر علی عبرتی سے تلمذ تھا -

ای حسرتی از حرف ہمہ سوز تو دل سوخت — پرکالہ آتش کہ زباں در دہن ست ایں

حشمت - مولوی ابو الفضل - آرہ ٹون اسکول میں ہڈ مولوی تھے

پھر مظفر پور بھومیار کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ حضرت صفیر بلگرامی سے تلمذ تھا۔ اور خود صاحب دیوان و صاحب تلامذہ تھے۔

جائیگی یوں تو جان ہی جائیگی ایک دن ۔ پہلو سے دل گیا تو گیا اضطراب کیا

تیرے بیمار ہی کے دم کا سہارا تھا اسے ۔ ساتھ تابوت کے روتی ہوئی حسرت نکلی

حشمتی۔ لالہ ماتا دین۔ عظیم آباد کے رہنے والے۔ منصفی کے عہدہ پر مامور تھے۔ بیشتر فارسی کہتے تھے۔ شاعری میں ناظر وزیر علی عبرتی کے شاگرد تھے۔

دیکھیں گے حسن حور تو پھسلے گا دل ضرور ۔ جنت میں بھی یقین ہے نہ آرام پائے دل

حقیر۔ حافظ عبدالرحیم۔ باشندہ عظیم آباد۔ کلام کا رنگ اور تلاش و فکر کا انداز مندرجہ ذیل اشعار سے معلوم ہو سکتا ہے۔

بتا دیں ہم تمہارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے ۔ اسے ہم سانپ سمجھے اور اسے من سانپ کا سمجھے

یہ کیا تشبیہ بے ہودہ ہے کیوں موذی سے نسبت دیں ۔ ہما عارض کو اور کاکل کو ہم ظل ہما سمجھے

غلط یہ ہوگئی تشبیہ بھی کیا ایک طائر سے ۔ اسے برق اور اوسے ساون کی ہم کالی گھٹا سمجھے

گھٹا اور برق کیسی کیوں گھٹا کر ان کو نسبت دوں ۔ اسے برگ سمن اور اوس کو سنبل کی جٹا سمجھے

نباتات نمی سے اُن کو کیا نسبت معاذ اللہ ۔ اسے ظلمات اوس کو چشمۂ آب بقا سمجھے

اگر کہیئے یہی مقصود تھے خضر و سکندر کے ۔ ید بیضا اوسے اور اوس کو موسیٰ کا عصا سمجھے

گر اس تشبیہ سے بھی حرف اون دونوں پہ آتا ہو ۔ اسے قندیل کعبہ اوس کو کعبہ کی ردا سمجھے

اگر یہ بھی پسند خاطر والا نہ ہو تو پھر | اسے وقت نماز صبح اور اوس کو عشا سمجھے
حقیر اب ساری تشبیہوں کو یوں رد کر کے کہتے ہیں | سویدا اس کو سمجھے اور اوسے نور خدا سمجھے

حقیر۔ سید اولاد احمد۔ حضرت صفیر بلگرامی کے منجھلے بھائی تھے ؎

گھر میں ہو نہ ہو کوچۂ جاناں میں ٹھکانا | سودائیوں کا ہو تو بیاباں میں ٹھکانا

حکیم۔ مولوی محمد اسمعیل خاں سب رجسٹرار بلسہ علاقہ پٹنہ۔ خلف مولوی محمد بخش خاں وکیل۔ مولوی خدا بخش خاں (سی، آئی، ای) وکیل پٹنہ کے منجھلے بھائی تھے۔ ۱۲۷۶ھ میں حضرت صفیر بلگرامی کے شاگرد ہوئے۔ دیوان ان کا مرتب ہے۔ اور کئی رسالے بھی ان کی تالیف سے ہیں ؎

عیسیٰ ہوئے تو کون مرض کی دوا ہو تم | پوچھا نہ جبکہ عاشق بیمار کا مزاج
معشوق تو دنیا کے وفادار نہیں ہیں | غم کھانے کا عشاق کے حاصل نہیں معلوم

حیدری۔ غلام حیدر متوطن دہلی مقیم عظیم آباد ؎

حیدری کے قید کرنیکی عبث تدبیر ہے | اس پریشاں کو خیال زلف ہی زنجیر ہے

حیراں۔ میر منور۔ باشندہ عظیم آباد صاحب دیوان تھے مرثیے میں مظلوم تخلص کرتے تھے ؎

وہ ظالم ایک دن بھی آن کر بیٹھا نہ پہلو میں | مگر دیکھا ہے یہ حال دل دیوانہ پہلو میں

حیرت۔ منشی احمد حسین عرف میاں جان خلف منشی مرحمت حسین

رئیس حسین گنج کھوا ضلع سارن۔ اکثر آرہ میں رہتے تھے۔ خواجہ محمد شاہ شہرت عظیم آبادی کے شاگرد تھے ؎

میں در تک تیرے پہونچوں گا بلاشک دل آگاہ میرا راہبر ہے

حیرت۔ مولوی احمد کبیر۔ پسر اکبر مولوی حاجی محمد فرید مرحوم مولد و مسکن پھلواری۔ عدالت پٹنہ میں وکیل تھے۔ اکثر علوم و فنون میں ماہر تھے مگر شاعری سے خاص شغف تھا۔ بہت پُر گو بھی تھے۔ تاریخ علم عروض اور صنائع و بدائع میں کمال حاصل تھا۔ "تاریخ کملا" ۱۳۰۲ھ جو دو جلدوں میں چھپی ہے آپ ہی کی تصنیفات سے ہے۔ فارسی اور اُردو دونوں میں اظہار کمال کیا ہے ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا۔ آپ کے کلام میں سے اگر صرف صنائع و بدائع کے نمونے درج کئے جائیں تو ایک دفتر ہو جائے۔ اس لئے اس مقام پر صرف چند شعر مختلف صنعت کے بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں ؎

گل کو ہوگا نہ تحمل ہرگز کر عنادل نہ ذرا غل ہرگز

چشم ہم چشموں سے اے چشم نہ رکھنا مطلق چشمک چشم سے ہم چشموں کے ہوتا ہے قلق
چشم احسان کو ہم چشموں کے اے چشم نہ دیکھ چشم ہم چشم پہ گو چشم ہو اوس کی اشفق

ہوا وہ صرصر اعدا کا صدمہ آلام کہ ہر سحر کو گرا سوکھ کر گل اندام
عدم کو آہ سدھارا سرور سرور دل ہوا عمل طلسم ملک درد کا ہر گام

بلبل یہ کہہ رہی ہے صبا سے پکار کے موسم گیا خزاں کا دن آئے بہار کے

جو شخص معترف ہوا اپنے گناہ کا　　کیا راہ پر خطر سے گیا بے خطر وہ شخص

حیرتی۔ محمد علی خاں۔ باشندۂ عظیم آباد۔ راجہ پیارے لال الفتی کے شاگرد تھے۔ اور میر وزیر علی عبرتی سے بھی فن سخن میں فیض پایا تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے۔ ؎

ادھر ہے لشکر مژگاں پر اجما ہوئے　　ادھر تو کشور دل لوٹتا ہے ترک نگاہ

میں ایک لیلی کا مجنوں ہوں بیاباں ہے وطن میرا　　نہ پوچھو ہمدمو نام و نشاں میرا بتاؤں کیا

پانی ملے جو اوس کے زنخداں کے چاہ کا　　اے خضر میرے واسطے آب حیات ہو

خادم۔ حکیم مولوی سید فضیلت حسین۔ ساکن دھنوت۔ پرگنہ پھلواری ضلع پٹنہ۔ تلمیذ قاضی مخدوم عالم پھلواروی ؎

غیر حالت ہو رہی ہے عندلیب زار کی　　لیگئی جب سے خزاں رونق گل وگلزار کی

سچ ہے ایک دنیا خوشامد کرتی ہے زرداکی　　ہے فدا سارا جہاں اوس کے طلائی رنگ پر

خاں۔ مولوی عبد اللہ خاں۔ باشندۂ دانا پور۔ شاگرد حافظ **ضیغم**۔ کلکتہ میں وفات پائی ؎

کیا کیا فلک کے ہم پہ نہ ظلم و جفا ہوئے　　جس دن سے وصل یار سے یارب جدا ہوئے

خاور۔ شیخ عبد الحکیم۔ متوطن عظیم آباد ؎

لطف کردند و غم آہ و فغانم دادند　　ستم و ناز و تغافل بہ حسیناں یکسر

خبر۔ سید محمد مہدی ولد سید محمد عسکری بلگرامی حضرت

صفیر کے پھوپھا تھے۔ آرہ میں بود و باش تھی۔ تقریباً ۱۲۸۵ھ میں چالیس برس کی عمر میں بھاگلپور میں انتقال کیا۔

ہم نے رونے کا بھلا کب سر و سامان باندھا
تم نے ہی دیدہ و دانستہ یہ طوفان باندھا

سد وصال رنجش دلدار ہو گئی
اتنا بڑھا غبار کہ دیوار ہو گئی

خفی - راجہ بابو - باشندۂ عظیم آباد۔

دیکھ سنبل کو چمن میں یاد آئے اوس کے بال
حاصل اس گلگشت سے آخر پریشانی ہوئی

دانش - میر احمد حسین خلف میر امداد حسین بلگرامی - ان دونوں نے ۱۲۹۴ھ میں بمقام بھاگلپور قضا کی صفیر بلگرامی کے شاگرد تھے۔

نہ صحرا مجکو بھاتا ہو نہ جی لگتا ہو اب گھر میں
تری زلف پریشاں کا یہ سودا بڑھ گیا سر میں

اُڑا کر خاک بربادی کا میری حال کہدینا
صبا تیرا گذر ہوتا ہو اکثر کوئے دلبر میں

دل - منشی بنی پرشاد قوم کائستھ - متوطن عظیم آباد۔

پردہ اُٹھاکے تو نے ادھر کو گذر کیا
عالم کے دل میں تیری محبت نے گھر کیا

دلگیر - دلیر شاہ - متوطن عظیم آباد - وارستہ مزاج درویش تھے۔

پھر بھی یا رب وہ کبھی دن رات ہو
یار ہو میں ہوں گلے میں ہات ہو

فصیح - مرزا امان علی - عظیم آباد محلہ مغلپورہ کے رہنے والے

سن رسیدہ مشاق شاعر تھے۔ عرصہ تک لکھنؤ میں رہے **مصحفی** کے شاگرد تھے۔ مذہب تشیع سے توبہ کرکے مذہب سنت والجماعت اختیار کیا تھا۔ تقریباً ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا ۱

اشک کے ہر تار میں یک دل نظر آیا مجھے — ہوش میں آنا بس اب مشکل نظر آیا مجھے
ہوش کب رہتا ہے جب محمل نظر آیا مجھے — قیس کہتا تھا نہ پوچھو اس گھڑی تم مجھ سے کچھ

ہماری سیر کو ہے ایک چمن زمیں کے تلے — گڑے ہوئے ہیں بہت گلبدن زمیں کے تلے

منہ جو دشمن کا نظر آوے تو مجھے رو دوست — اسقدر تو ہے تو جوع قلب عاشق سے تو دوست
یا اسی کو تھا میسر تکیہ زانوئے دوست — یہ ہی سر ہے کہ اب ہے اپنے زانو پر سدا

مشہور ہے کہ باتیں کرنے میں ہکلاتے تھے۔ اور ہکلوں کی زبان میں بہت سی غزلیں بھی مذاقیہ کہی تھیں۔ چنانچہ یہ شعر انھیں کی طرف منسوب ہے ؎

مہ مہ مدتیں گذر گئیں پہ پہ پاس تم نہ آئے — ہہ ہہ ہجر میں تمہارے پھپھ پھٹ گیا کلیجہ

ذکی - سید غلام حسن بلگرامی مقیم آرہ۔ شاگرد **صفیر** بلگرامی سید بندہ حسن **تمنا** کے منجھلے بھائی تھے ؎

کیا کرے ہے بے قراری دیکھئے — کس طرح صورت تمہاری دیکھئے

راحت - مولوی احسن علی خاں عرف میاں صاحب قبلہ

ا۔ حیات فریاد صفحہ ۸۱

خلف کالے خاں ۔ متوطن شہسرام ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے ۔ قصبہ شہسرام کے اول شاعر یہی سمجھے جاتے ہیں ۔ کسی کے شاگرد نہ تھے ۔ بلکہ جو کچھ کہتے پہلے اپنے ممتاز شاگردوں مثلاً مسرور ۔ بشاش اور تیغ وغیرہم کو نکتہ چینی کرنیکے لئے حوالہ کردیتے ۔ ۱۳۰۱ھ میں انتقال کیا ۔

ایک تو جلتا شمع کا اوسپر ستم گل گیر کا　　کیا عدالت ہو کہ سر کٹتا ہے بے تقصیر کا

مارکھا نیکی ہیں باتیں جو کہیں زلف کو مار　　یونہیں سانپ ہیں بہم زلف معنبر میں نہیں

رحمتی ۔ کنور سکھراج بہادر ۔ خلف کنور ہیرالال شمیم ۱۲۹۵ھ ۱۲۹۶ھ میں انہوں نے پانچ مشاعرے بڑے دھوم دھام سے کئے تھے ؎

جب سلسلہ جنباں یہ تری زلف رسا ہو　　عاشق ترا کس طرح نہ زنجیر بہ پا ہو

جب آپ ہی کو پاس نہیں رسم و راہ کا　　کیا فائدہ جو ہو کبھی ارادہ نباہ کا

رضا ۔ سید محمد رضا ولد سید تبارک حسین بلگرامی مقیم آرہ محکمہ افیون میں گماشتہ تھے ۔ غدر کے دو برس قبل انتقال کیا بیشتر فارسی کہتے تھے ؎

گر کرے زیب گلو وہ نوجوان سبزہ رنگ　　فیض رنگ سبز سے تسبیح مرجان سبز ہو

رضا ۔ میرزا نظیر حسین ۔ باشندۂ عظیم آباد ۔ تلمیذ میر حامد حسین نکہت ؎

رہتا ہو اک زمانے سے گردش میں رات دن　　جو یا یہ پیر چرخ ہو کس رشک ماہ کا

رضوان - ابوالمظفر مولا بخش - باشندہ آرہ - مالک رضوانی پریس - شاگرد **ناسخ** ہے

شمع رویوں کو ہے ہمارے دل کی کو پروانہ تھی
دل ہمارا عشق میں اون کے مگر پروانہ تھا

حالت مری دیکھ لے باچشم بصیرت
جس نے کبھی مجنوں کے فسانے کو سنا ہو

رقیم - منشی گرسہائے لال خلف منشی نورائن لال ساکن تدرہ ضلع گیا - شاگرد **ناسخ** - فارسی و عربی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے ہے

در چمن وا اگر ایں عقدۂ گیسو گردد
غنچہ غنچہ گرہ نافہ آہو گردد

رکن - سید غلام نبی - باشندۂ عظیم آباد شاگرد حضرت **وحید** الہ آبادی ہے

بیمار کر دیا جسے دیکھا اُٹھا کے آنکھ
جادو سے کم نہیں اثر ان کی نگاہ کا

رونق - میر غلام حیدر خاں باشندۂ عظیم آباد ہے

رحم کر اے دوست کہ ہے خاکساری پر مری
نقش پا کی طرح تیری راہ میں افتادہ ہوں

رونق - سید علی نواب - متوطن دہلی - مقیم عظیم آباد ہے

بے تیغ کے قتل ہوں گے عاشق
ابرو پہ نہ رکھ شکن ہمیشہ

ربانی - ڈاکٹر شیخ عبداللہ ولد شیخ فقیر محمد

باشندہ موضع راگھو پور پرگنہ میتر ضلع عظیم آباد۔ شاگرد حافظ صیغم و عبداللہ خاں مہر ہے

مجھ پا شکستہ کے لئے کیا احتیاج قید قابل ہی بیڑیوں کے نہ لائق رسن کے پاؤں
کیا ہو گئے وہ لوگ رہائی جو زیر چرخ پنجوں کے بل سے چلتے تھے رکھتے تھے تن پہ پاؤں

زبیر۔ شہزادہ مرزا محمد زبیر الدین عرف مرزا محمد رئیس بخت خلف مرزا محمد دارا بخت ولی عہد اول حضرت ابو ظفر محمد بہادر شاہ بادشاہ۔ مقیم عظیم آباد۔ ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ہ

دم ہوا فرقت میں ہوتا عاشق دلگیر کا گر نہ ہوتا سامنے نقشہ تری تصویر کا

زبیر۔ سید سبحان حیدر صاحب ڈپٹی کلکٹر رانچی ترجمہ شرع محمدی "مکناٹن لا" اور قصہ رسلس کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں انہیں کا کیا ہوا ہے۔ حضرت صفیر سے تلمذ تھا ہ

جو پوچھا قیس سے کتنے ہیں عشق میں آزار تو رو کے کہنے لگا اس کا کچھ حساب نہیں

ساعز۔ محمد سعید۔ باشندہ داناپور ہے

منہ بے سبب سفید نہیں آج ماہ کا رخ سے اٹھا نقاب کسی کج کلاہ کا

سالک۔ فصیح احمد۔ متوطن عظیم آباد ہے

کرتا نگاہ یا کہ نہ کرتا ہے اختیار قصہ تو سن لو اک ذرا حال تباہ کا

سالم۔ حکیم محمد عسکری۔ متوطن لکھنؤ۔ تخلص کے دو ایک

برس بعد عظیم آباد میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ مرثیہ پڑھتے تھے۔ پھر یہاں سے آرہ گئے۔ وہاں تین چار برس طبابت کا مشغلہ رہا۔ پھر پورنیہ گئے اور ۱۲۸۹ھ کے کچھ بعد وہیں انتقال کیا ناسخ کے شاگرد تھے ؎

خاک میں بھی داغ فرقت نے حرارت خوب کی — کاہ آتش دیدہ ہی تربت پہ صورت دوب کی
بنگئی نقش قدم کی طرح چشم انتظار — میں نے ایسی راہ دیکھی قاصد محبوب کی

سخن ناظر عباس علی خلف ناظر عبد العلی ساکن علی گنج سیوان۔ شاگرد صفیر بلگرامی۔ غدر میں مارے گئے ؎

آب حیواں کا ترے لب میں اثر ہے کہ نہیں — صاف ظلمات تری زلف دوسر ہے کہ نہیں

سلطان ۔ نواب سید تجمل حسین خاں عرف سلطان مرزا ابن نواب حاجی سید ولایت علی خاں بہادر (سی، آئی، ای) ابتدائے شباب سے ۱۲۸۰ھ میں بمکان سید علی محمد صاحب **شاد** یہ منشی سید فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ اردو کے دو دیوان ایک بحر خفیف میں اور دوسرا مختلف بحروں میں اور دو مثنویاں بھی اپنے نام سے یادگار چھوڑی تھیں۔ رسالہ مرقع فیض (تذکرہ شاگردان صفیر بلگرامی مطبوعہ ۱۲۹۵ھ) بھی

آپ ہی کے نام سے شائع ہوا تھا ؎

یہ کشش بڑھ گئی جانباز کے جل جانے سے
شمع بھی جل کے برابر ہوئی پروانے سے

چلے عدم کو محبت کا داغ کھائے ہوئے
چراغ لے چلے دامن میں ہم چھپائے ہوئے

کہیں جگہ نہ ملی بیکسی کو آخرکار
ہماری شمع لحد سے ہے لو لگائے ہوئے

سلطان

سلطان - خواجہ سلطان جان - اصل نام راجہ طالب علی تھا - خلف خواجہ حسین علی خاں مرحوم رئیس عظیم آباد - اولاد میں خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے تھے - وطن بزرگوں کا بخارا تھا - ننہال کا سلسلہ خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے - موسیقی میں اچھا دخل رکھتے تھے سیر چشمی اور اولوالعزمی میں مشہور زمانہ تھے - سن شعور کے بعد سے روپئے پیسے کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہ چھوا - بہت دنوں تک لکھنؤ اور کلکتہ میں بھی رہے - سنہ ۱۲ ھ میں کلکتہ سے گیا پہونچکر انتقال کیا - فارسی اور اُردو دونوں میں فکر سخن کیا ہے - تین دیوان یادگار چھوڑے ہیں - یہ نمونہ کلام ہے ؎

وار کیا معلوم ہو تیغ نگاہ یار کا
ساحل بحر فنا ہے گھاٹ اس تلوار کا

دل کی جا سینے میں تیر ادا کا پیکاں رہ گیا
میزباں جاتا رہا اور گھر میں مہماں رہ گیا

دیکھیے جو منتر چاند کے ٹکڑے سے تو شگاف
انکار نہ کا فر کو رہے شق قمر کا

رندوں نے آج نشے میں کیا دھوم مچائی ہے
مینا بغل میں سر پہ سبو جام دوش پر

جب آتا ہوں ہو جاتا ہی سوراخ جگر میں
کاہے کو کوئی آئیگا اب آپکے گھر میں

حیا ہے عاشق و معشوق میں گرما گرمی
وصل کی رات نہیں خوب یہ شرما شرمی

دام بلائے عشق میں ہم بے سبب پڑے
کم بخت دل پہ ہائے خدا کا غضب پڑے

تاب کس کی جو کرے بات اوس بت مغرور سے
جو کبھی دیکھے تو لے اوس کی بلائیں دور سے

تم کو پردے سے فقط بات بنا آتی ہے
یا کبھی چاند سی صورت بھی دکھا آتی ہے

سلیم ۔ سید لقمان حیدر وکیل عدالت دیوانی قصبہ آرہ ۔ خواجہ محمد شاہ **شہرت** کے شاگرد تھے ۔

وہ تو واں غیر سے مشغول سخن ہوتا ہی
اور یہاں حل معمائے دہن ہوتا ہی

گوشہ گیری ہی سے ہو جاتا ہی ناقص کامل
ورنہ سب خون کہاں مشک ختن ہوتا ہی

سعید ۔ سید حسین ۔ خلف شاہ فرید الدین احمد شاگرد میر محمد واجد **پریشان** ساکن عظیم آباد ۔

گرچہ ظاہر میں نظر ہم کو نہ آئی گاہے
پر تصور میں یہاں تیری کمر دیکھ چکے

سیدی ۔ حکیم میر سید دین ۔ متوطن بلیا ۔ مقیم عظیم آباد ۔

مُنھ اوس کا مرتے دم تری جانب کو پھر گیا
کشتہ تھا جو کوئی تری ترچھی نگاہ کا

شاد ۔ رائے درگا پرشاد ۔ متوطن عظیم آباد ۔ راجہ رام نرائن **موزوں** کے خاندان میں تھے ۔

دن کو جو شغل گریہ ہی تو شب کو آہ کا
پوچھو نہ حال کچھ مرے حال تباہ کا

شاداب۔ مولوی مہدی حسن خان خلف حاجی امیر حسن خان مرحوم بن دیوان مولا بخش صاحب خان بہادر سی، اس، آئی۔ رئیس اعظم رسول پور ضلع مظفر پور۔ مقیم لال کوٹھی عظیم آباد اس دور کے خوش گو شعرا میں تھے۔ حضرت نایاب کے چھوٹے بھائی تھے اون کے انتقال کے بعد منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی سے تلمذ اختیار کیا تھا۔ سنہ ۱۳۰۵ھ میں حضرت امیر مینائی مرحوم خود بھی ان کے بلائے ہوئے لال کوٹھی میں تشریف لائے تھے۔ اور ان کے شاگرد داغ رشید ریاض و کوثر بھی شامل تھے۔ اس زمانے میں شعر و سخن کا یہاں بہت چرچا تھا۔ جناب شاداب نے یکم رمضان سنہ ۱۳۰۷ھ کو لال کوٹھی میں انتقال کیا۔ نہایت ذہین اور طباع تھے۔ حضرت امیر مینائی نے ان کا ذکر امیر اللغات کے دیباچہ میں بھی کیا ہے۔ اشعار فی البدیہہ کہتے تھے۔ اپنے کلام کو انہوں نے کسی دیوان یا بیاض کی صورت میں قلمبند نہیں کیا۔ "دامن گلچیں" میں ان کی بعض غزلیں چھپی تھیں۔ یہ رباعی ان کی مشہور ہے ؎

موت آئے گی مر جائیں گے ڈرنا کیا ہے — مالک کی خوشی یہی ہے کرنا کیا ہے
دل کی الجھن تو دور ہو جائے گی — یہ بھید تو کھل جائے گا مرنا کیا ہے

کیوں شگفتہ نہ داغ ہوں دل کے — پھول ہیں سب تمہاری محفل کے

لطف رونے کا جب ہوا ے غم یار — آئے اشکوں میں خوں دل مل کے
رو رہی ہیں مرے جنازے پر — حسرتیں یاس سے گلے مل کے
مرغ دل کا وہ کھیلتے ہیں شکار — دام زلفوں کے ڈالتے ہیں تل کے
فیض منعم سے بے نصیب کو کیا — خشک لب دیکھتے ہیں ساحل کے
خوب دیکھا مرقع فردوس — رنگ ہیں سب تمہاری محفل کے
ہے خموشی جواب ناصح کا — منہ لگے کون ایسے جاہل کے
رنج اتنے اٹھائے اے شاداب — حوصلے پست ہوگئے دل کے

دل کے آئینے میں رخ عکس فگن کس کا ہے — دیکھئے شہر حلب میں یہ چمن کس کا ہے
چشم فتاں کا تصور نہیں جاتا دل سے — قید اللہ کے گھر میں یہ ہرن کس کا ہے
لیگئی شہر خموشاں میں جو دنیا سے اجل — روح گھبرا کے پکاری یہ وطن کس کا ہے
آپ بھی طالب رخصت ہیں میری جان بھی ہے — دیکھیں پہلے سفر اے مشفق من کس کا ہے

ہے عکس رخ سے تیرے ساغر شراب میں چاند — عجب یہ ہے نظر آتا ہے آفتاب میں چاند
یہ جو سینے کے پار ہے کیا ہے — مژہ ہے یا کٹار ہے کیا ہے

منفعل باب اجابت سے جو پھر آئی ہوئی — ہم دعا سے اور دعا ہم سے ہے شرمائی ہوئی
آتش الفت بجھا رونے سے بجھتی ہے کہیں — اک بڑے ساحر کی ہے یہ آگ بھڑکائی ہوئی
توڑ کر بند قبا بے پردہ اوس کو کر دیا — دشمن جان حیا اوس بت کی انگڑائی ہوئی
کیا حیا ہے آپ شرماتے ہیں اپنے عکس سے — آئینہ پہ بھی نظر پڑتی ہے شرمائی ہوئی

جامہ سے باہر ہی جب سے چھو لیا تیرا لباس — عطر کی بو ہر طرف پھرتی ہی اترائی ہوئی
کثرت افکار میں کیونکر شگفتہ ہو غزل — ہی طبیعت آج کل شاداب مرجھائی ہوئی

شاغل۔ شاہ محمد آغا

خلف مولوی تراب علی۔ متوطن دہلی۔ حضرت داغ کے علاتی بھائی اور اون کے شاگرد تھے۔ عرصہ دراز تک عظیم آباد میں رہے شطرنج بازی میں یگانہ روزگار تھے ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے۔

کیا پوچھتا ہی ہم سے خراب تباہ کا — لے دیکھے ایک دم ہی سو وہ اپنی راہ کا
اللہ رے نازکی کہ دم عرض مدعا — اون کو ہی ایک پہاڑ اوٹھانا نگاہ کا
مرتے کبھی نہ طالب دیدار حشر پر — ملتا پتا جو ٹھیک تیری جلوہ گاہ کا
دیوانہ ہو کے سر کوئی پھوڑے اگر تمہیں — سیدھی طرح سے آئے نہ رکھنا کلاہ کا

دے اب وہ جواب اون کو جسے ہوش رہا ہو — لو پوچھتے ہیں مجھ سے کہ تم چاہتے کیا ہو
درماندہ و مجبور زمانے میں بتوں سے — ہم ایسے ہیں جیسے کہ کسی کا نہ خدا ہو
کچھ یاس سے تسکین ابھی دل کو ہوئی تھی — پھر چھیڑ دیا ہائے تمنا کا برا ہو

بتائیں کس زباں سے ہم خراب دیدہ وطن اپنا — نہ اُجڑے یوں کسی کا جس طرح اجڑا چمن اپنا
اسیران قفس جب یاد کرتے ہیں چمن اپنا — بہت روتے ہیں ہم پھر پھر کے سوے وطن اپنا
جہاں گردی میں صورت آشنا جب کوئی ملتا ہی — نظر پڑتے ہی پھر جاتا ہی آنکھوں میں وطن اپنا
مرا حال زبوں بھی باعث تفریح عالم ہی — مجھے جو دیکھتا ہی بھول جاتا ہی محن اپنا

شائق ـ منشی لللہ پرشاد متوطن فرخ آباد۔ مقیم عظیم آباد ہ

کان اون کے بھر گئے ہیں رقیبوں کی بات سے ۔ سنتے نہیں وہ حال کسی دادخواہ کا

شائق ۔ منشی محمد بخش عظیم آباد میں مقیم تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہ

اب اون کا کاسہ سر پائمال عالم ہے ۔ کہ جن کا ٹھاٹھ کوئی ہمسر آسماں کے تلے

شائق ۔ منشی سرفراز علیخاں محمد کے ڈپٹی کلکٹری بانکا ضلع بھاگلپور میں ناظر تھے۔ نساخ کے شاگرد تھے

موت بھی سر پیٹتی ہے اوس کے بالیں پر کھڑی ۔ حال ابتر ہے تمہارے عاشق بیمار کا

شرف ۔ مولوی محمد شرف الدین ۔ متوطن پھلواری
متصل عظیم آباد۔ حضرت شاہ نعمت اللہ کے نواسے تھے ہ

اے شرف ہیچ از جہاں نگرفت ۔ تا جنوں را دست در داماں ماست

شمس ۔ شریف احمد خاں باشندہ عظیم آباد ۔ شاگرد
مرزا غلام حسین قمر ہ

اگر نہائے وہ مہر بے حجاب دریا میں ۔ تو تھرتھرانے لگے آفتاب دریا میں

شمس ۔ منشی بیشیشر سہائے متوطن عظیم آباد ہ

ہاں یہ مانا کہ جو نکلے بھی تو مر کر نکلے ۔ پھر یہ حیرت ہے کہ اوس کوچہ سے کیونکر نکلے

شمیم ۔ شیخ محمد حسن باشندہ آرہ شاگرد محمد شاہ شہرت ہ

ستم دور بتاں سے یہ دل آزاد نہیں ۔ کون سا دن ہے کہ ہم مورد بیداد نہیں

شمیم ۔ محمد حسن خاں متوطن عظیم آباد شاگرد میرن صاحب نکہت ہ

اے شوق قتل جلد کہیں خضر راہ ہو ۔ بھولا ہوا ہوں راستے میں قتل گاہ کا

شوقؔ - داروغہ عبدالرحمن - ساکن باقر گنج پٹنہ - شاگرد صفیرؔ بلگرامی

فراق میں کب تک بدن کو زار کریں ۔ تو ہی جواب دے تا چند انتظار کریں

شورشؔ - میر قوت علی بلگرامی - خلف میر امامی شاگرد صفیرؔ بلگرامی ساکن آرہ - اکثر عظیم آباد میں شریک مشاعرہ ہوتے تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ ان کی تصانیف سے سات رسالے - ۱ مرات التحقیق ۲ لمعۃ الحصول - ۳ تنبیہۃ العقول - ۴ مناظر الناظرین ۵ جاء الحق ۶ زہق الباطل - ۷ اور ایک ضخیم کتاب "فلسفۃ الکلام" ۸۰۰ صفحوں میں لکھی ہوئی غیر مطبوعہ ہے ؎

خشک لب دیدۂ تر رکھتے ہیں ۔ ہم بھی الفت کا اثر رکھتے ہیں

آخر کو جان دینی پڑی مجھکو آن پر ۔ دل دیکے تم کو آ ہی بنی میری جان پر

شورشؔ - کندن لال متوطن عظیم آباد محلہ دیوان قوم کائستھ انہوں نے ایک مثنوی ضخیم فارسی میں بھی لکھی تھی - اردو کی مثنوی کا ایک شعر یہ ہے ؎

کبھی میرا پٹنہ بہشت بریں تھا ۔ جواب اس کا دنیا کے اندر نہ تھا

سید شاہ امین احمد ثبات وشوق

شوقؔ تخلص - حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی قدس سرہٗ

المعروف بہ "جناب حضور" خلف الصدق حضرت سید شاہ امیرالدین وحید علیہ الرحمہ سجادہ نشیں خانقاہ حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین قدس سرہ۔ ساکن بہار شریف محلہ خانقاہ۔ ۲۳ رجب ۱۲۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم معقول و منقول میں کامل دستگاہ رکھنے کے ساتھ شعر و سخن سے بھی خاص طور پر شغف رکھتے تھے۔ مثنوی گویوں میں اتنا بڑا قادر الکلام شاعر اس صوبہ بہار میں کوئی پیدا نہ ہوا گویا اس فن میں آپ یکتائے زمانہ تھے۔ یہ سب مثنویاں مناقبانہ ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

گل بہشتی۔ گل فردوس۔ روضۃ النعیم۔ شجرات طیبات۔ سلسلۃ اللآلی۔ عبرت افزا۔ اور شہد وشیر۔

اول الذکر میر ابو المعالی نجات اصفہانی کی مثنوی گل کشتی کے جواب میں ہے۔ اس میں خواجگان چشتیہ کی مدحت سرائی اور ان کے قصص و حکایات ہیں۔

(۲) "گل فردوس" جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ بزرگان سلسلہ فردوسیہ کے مناقب و قصص میں ہے

(۳) "روضۃ النعیم" میں شیوخ قادریہ پاک کی منقبت اور ان کے احوال مندرج ہیں۔

(۴ و ۵) شجرات طیبات اور سلسلۃ اللآلی میں متعدد خانوادوں کے شجرے منظوم کیے گئے ہیں۔

(۶) عبرت افزا مین۔ بعض بعض انبیاء علیہم السلام کی حکایات و قصص ہیں۔ یہ مثنوی "خمسہ نظامی" کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ اور اس ایک مثنوی میں پانچ وزن کی پانچ مثنویاں جدا جدا ہیں۔ یہ بہت بہترین مثنوی ہے

(۷) "شہد و شیر" میں مثنوی "نان و پنیر" کا جواب دیا گیا ہے جس کے مصنف نے اصحاب صوفیہ کو برا بھلا لکھا تھا۔

مثنوی "گل بہشتی۔ گل فردوس" اور روضۃ النعیم۔ یہ تینوں میر نجات کے "گل کشتی" کے وزن میں لکھی گئی ہیں۔ گل بہشتی کا سر آغاز یہ ہے ؎

از ہمہ زاد رہ فقر چہ دلخواہ بود زانکہ الفقر اذا تم ھو اللہ بود

ان تینوں مثنویوں میں صدہا بزرگوں کے حالات اور اون کی مدحت ہی۔ تخمیناً پچیس تیس ہزار اشعار ہوں گے۔ ہر بزرگ کی توصیف و تعریف میں مختلف الفاظ۔ تنوع مضامین اور جداگانہ ادائے منقبت کی شان ہی۔ اس سے بھی کمال فن کی قدرت ظاہر ہوتی ہی۔

مثنویوں کے علاوہ فارسی غزلیں بھی ہیں مگر ردیف وار نہیں جن پر دیوان کا صدق ہو سکے۔ اردو کا دیوان ردیف وار مرتب ہے۔

شاعری میں آپ کسی کے شاگرد نہ تھے۔ طریقت میں حضرت شاہ جمال علی بلخی قدس سرہٗ شیخ پوروی کے مرید تھے۔ اور حضرت شاہ ولایت علی اسلام پوری قدس سرہ سے ارشاد لیا تھا۔ آپ کے زمانے میں آپکے مریدین و مسترشدین کا شمار ایک لاکھ کے قریب بتایا جاتا ہے۔ ۸ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

دیوان اُردو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اور اردو کلام اس کے پیشتر کبھی منظر عام پر نہ آسکا۔ اس کے علاوہ آپ کا سب کلام متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ آپ فارسی میں **ثبات** اور اُردو میں **شوق** تخلص فرماتے تھے۔ اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

مثنوی

حمد

بنام خداوند عرش بریں ... بہر بندہ بیش از رگ جاں قریں

مبرا ز ضد و شبیہ و نظیر ... شہنشہ ولے بے مشیر و وزیر

نعت

عظیم العطایا جزیل الکرم ... مزیل الخطایا کفیل الامم

ملاذ رسولاں عدیم العدیل ... مطاع کریماں اصیل النبیل

غزل فارسی

پایم از کفش و سرم از کلہ آزاد آمد ... دل بہ عشق تو ز غمہائے جہاں شاد آمد

در سر لیلیٰ و شیریں دل قیس و فرہاد ... در جہاں کیست کہ از بند غم آزاد آمد

دید در مرحلۂ شوق ز بس بیتابم ... بے زباں بود جرس لیک بہ فریاد آمد

کے ز عشاق شد ایں دشت محبت خالی
رفت مجنوں اگر از بادیہ فرہاد آمد

لوح دل را ہمہ ز اعداد محبت پر کن
کہ دریں نقش معظم اثرے نیست کہ نیست

کاسۂ فقر عجب نعمت الواں دارد
کہ بہ کشکول گدا ما حضرے نیست کہ نیست

حاصل ہر دو جہاں نقد محبت باشد
پیش ما فائدہ کون و مکاں ایں ہمہ نیست

در بتاں جلوۂ انوار خدا می بینم
ورنہ مارا غرض از روئے بتاں ایں ہمہ نیست

آں کسے نقد بقا برد ازیں دار فنا
کہ جز از ذات تو باقی ہمہ فانی دانست

رفت از خویش چناں در طلب یار ثبات
کس نمی یابم و در ہر دو سرا میجویم

نمونۂ کلام اُردو

اللہ تیرا عام جو انعام ہو گیا
جاری میری زباں پہ ترا نام ہو گیا

گر اس کی جستجو وہ ملیگا تجھے ضرور
کوشش جو تو نے کی تو ترا کام ہو گیا

دیکھا جب پائے حنائی کو ترے دل پس گیا
پائمال خوبی رفتار آنکھیں ہو گئیں

کوئی اور غم مجھکو ہوتا تو ہوتا
مگر رنج فرقت خدایا نہ ہوتا

فلک ہم سے اے شوق اگر میل رکھتا
تو اس مہ سے ابتک ملایا نہ ہوتا

ہر وادی ہاہوت کی یاں دشت نوردی
کس طرح سے مجنوں ہو بھلا ہم قدم اپنا

عقبیٰ میں اسی کیلئے ہے راحت و شادی
دنیا میں جو کرتا ہو غم اپنا الم اپنا

خار زار عشق سے اے شوق نکلو تم کہیں
گلشن ہستی سے ہو جاؤگے ورنہ گم کہیں

تن سے سر کٹ گیا حل ہو گئی مشکل میری
واہ کیا عقدہ کشا ناخن شمشیر بھی تھا

طرز غالب مجھے اب شوق بہت ہے مرغوب ابتدا میں تو میں کچھ معتقد میر بھی تھا
کئی دن سے ان کو جو دیکھا نہیں ہے میری روح قالب میں گویا نہیں ہے
مرا زلف سیہ پر دل جو شیدا ہو تو ہونے دو گرفتار بلا گر کوئی ہوتا ہو تو ہونے دو
ملتی گر تصویر یوسف کی مجھے تیری صورت سے ملا کر دیکھتے
عشق سے جتنا مجھے زوال ہوا ہے اتنا ہی وہ باعث کمال ہوا ہے
کیا ہو رہائی کہ مرے طائر دل کو دام بلا گیسوؤں کا جال ہوا ہے
شوق غزل سے عیاں ہے وحشت خاطر ہم سے رمیدہ جو وہ غزال ہوا ہے

رباعی

جس دم ہم ہاتھ میں قلم لیتے ہیں ارباب سخن جھک کے قدم لیتے ہیں
نقد تعلیم ان کو ہم دیتے ہیں جنس تعظیم ان سے ہم لیتے ہیں

شوکت۔ مولوی سید آل احمد عرف مولوی گدے صاحب خلف مولوی سید اصغر حسین متوطن موضع رہوائی ضلع گیا۔ مقیم عظیم آباد نواب لطف علی خاں بہادر سی، آئی، ای، کے مدار المہام تھے۔ مولوی اولاد علی گیا آتش سے تلمذ تھا۔ ایک دیوان اردو اور مثنوی "حجاب شوکت" ان کی تصنیف سے غیر مطبوعہ ہیں۔ ۱۳۰۵ھ میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا

خبر ملی تو وہ میت پہ میری آکے ملے یہ کیا ملے جو ہمیں خاک میں ملا کے ملے
ملے وہ خواب میں آنسو جو چشم تر سے گرے خدا کرے کہ تمھیں بھی کبھی نظر سے گرے

شہرت - خواجہ محمد شاہ ولد خواجہ عبدالوہاب۔ عظیم آباد کے رہنے والے۔ وطن اصلی کشمیر تھا۔ منشی مہدی بخش تسلیم سے تلمذ تھا۔ اور اس دیار کے متعدد شعرا ان کے شاگرد تھے ؎

کرتے ہیں تعریف ابروے بت بے پیر کی | دیکھنا تیزی ہماری برش شمشیر کی
آگئی اوس جنگ جو کی یاد جو ہنگام غسل | موج دریا میں روانی ہوگئی شمشیر کی

تاثیر محبت بھی عجب کچھ نظر آئی | دل ہی میں دل یار کی اپنے خبر آئی
آج آئینگی اوس شوخ کے اڑتی خبر آئی | ہم خوش ہیں کہ کچھ آہ رسا کام کر آئی

شہرت - منشی محمود۔ باشندۂ عظیم آباد ؎

دیکھتے ہیں اوس کے بسمل آنکھ سے رو آجل | صید گہ میں صاف ہی شمشیر قاتل آئینہ
خود نما کب آسکے روشن دلوں کے سامنے | ہو سکا کب مہر تاباں کے مقابل آئینہ

شہید - مولوی یوسف علی۔ باشندۂ بہار۔ شاگرد تجمل ۱۲۸۰ھ میں حیات تھے ؎

ہے تماشا گلستاں اپنا چراغ خانہ ہے | دید کے قابل یہ جنگ بلبل و پروانہ ہے

شیر - سید محمد شیر۔ متوطن بہار۔ سید محبوب شیر صورت کے خویش اکبر تھے۔ مرزا غالب اور وحید الہ آبادی سے تلمذ تھا ؎

ہم کو دلیل عشق حقیقی ہوا مجاز | آوارگی نے کام دیا خضر راہ کا

صادق - صادق علی خاں باشندۂ عظیم آباد ؎

کیا دخل ہم وفا سے پھریں اور جفا سے یار　　سو مرتبہ زمانے میں گر انقلاب ہو

منشی سید فرزند احمد صفیرؔ (بلگرامی)

صفیرؔ تخلص۔ سید فرزند احمد نام۔ خلف سید عبدالحی عرف میر سید احمد احمدؔ داروغہ آبکاری ضلع مونگیر بن حکیم حاجی مولوی سید غلام یحییٰ حسینی واسطی بلگرامی وطن اصلی قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی صوبہ اودھ تھا۔ ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۴۹ھ کو بہ مقام مارہرہ ضلع ایٹہ متصل علیگڈھ کول اپنے ننہال میں پیدا ہوئے۔ تین برس کی عمر میں اپنے وطن بلگرام میں آئے۔ اور پانچویں برس بہ مقام آرہ ضلع شاہ آباد صوبہ بہار میں اپنے جد و والد کے ساتھ آکر سکونت پذیر ہو گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

مولد و مسکن۔ وطن ہائے صفیرؔ　　تین چار مارہرہ۔ آرہ۔ بلگرام

چودھویں برس شاعری کا شوق ہوا۔ پندرہویں برس سید محمد مہدی خبیرؔ بلگرامی اپنے پھوپھا کے شاگرد ہوئے۔ بیسویں برس لکھنؤ جا کر شیخ امان علی سحرؔ (تلمیذ ناسخؔ) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پچیسویں برس ۱۲۷۳ھ سال غدر میں مرثیہ گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اس میں مرزا دبیرؔ سے اصلاح لی۔

ان کے ننہالی قرابت مندوں میں اکثر لوگ اہل سنت و الجماعت تھے۔ ان کے نانا حضرت صاحب عالم صاحب سجادہ نشین مارہرہ اور مرزا غالب سے خط و کتابت برابر رہتی تھی سنہ ۱۲۷۸ھ میں ان کی خواہش ہوئی کہ حضرت غالب کے شاگرد ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عریضہ مع دو غزل فارسی اور دو غزل اردو کے برائے اصلاح مارہرہ سے روانہ کیا۔ حضرت غالب نے بعد اصلاح آٹھویں دن جواب سے سرفراز فرمایا۔ کچھ دنوں تک اسی طرح خط و کتابت رہی۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۲۸۲ھ میں یہ اپنے ماموں حضرت شاہ عالم کو ساتھ لیکر دہلی میں حضرت غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بطور ایک عزیز اور معزز مہمان کے کئی مہینے تک وہاں مقیم رہے۔ آخر رمضان سنہ ۱۲۸۲ھ تک آرہ واپس آئے

دلی سے آرہ واپس آنے کے بعد سے حضرت صفیر کی عظیم آباد میں اکثر آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ نواب سید ولایت علی خاں بہادر (سی آئی ای) کے خلف اکبر نواب تجمل حسین خاں عرف سلطان صاحب سلطان اور شہر کے بعض عمائدین ان کے فیض تلمذ سے بہرہ مند ہوئے۔ اور

۱؎ سنہ ۱۲۹۴ھ میں انکے نام سے رسالہ "مرقع فیض" (تذکرہ تلامذہ صفیر بلگرامی) شائع ہوا تھا جس کی بنا پر حضرت سخن دہلوی کے ایک شاگرد سردار مرزا کی طرف سے رسالہ "تنبیہ صفیر بلگرامی" شائع کیا گیا۔ اور حضرت شاد سے بھی رسالہ بازیاں ہوئیں۔ یہ سب رسالے چھپے ہوئے ہیں۔ منہ

مظفرپور اور آرہ وغیرہ میں بھی ان کے متعدد تلامذہ تھے۔

ادب اُردو کی تاریخ میں تمنّا بلگرامی بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ نظم میں غالباً آٹھ دیوان کے قریب ان کے کلام مرتب ہو گئے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں ؎

مشق تیری یہ بیالیس برس کی ہے تمنّا
آٹھواں فضل الٰہی سے ہے دیوان تیرا

نثر میں تالیف و تصنیف کی تعداد نظم سے بھی زیادہ ہے۔ فہرست تصانیف حسب ذیل ہے:-

۱۔ رشحات عنبر۔ در بیان تانیث و تذکیر۔ یہ رسالہ حضرت جلال لکھنوی کے رسالہ تانیث و تذکیر سے پہلے لکھا گیا تھا۔ مرزا غالب نے اسپر تقریظ بھی لکھی تھی جو "عود ہندی" میں چھپی تھی۔ ۲۔ گلبن موزوں (ناول) ۳۔ جوہر مقالات (ناول) ۴۔ مرغوب القلوب۔ حال انبیا و ائمہ علیہم السلام۔ ۵۔ صراط المستقیم۔ ۶۔ قیامت نامہ ۷۔ راحت طفلی۔ ۸۔ دغدغہ موت۔ ۹۔ شور محشر ۱۰۔ جوش جنت ۱۱۔ معراج العقول در عظمت آل رسول ۱۲۔ شبستان معرفت۔ ۱۳۔ قصہ بوستان خیال (ترجمہ) ۳ جلد۔ ۱۴۔ مختصر بستان خیال ۲ جلد ۱۵۔ رسالہ چشمۂ کوثر در تذکرہ مرثیہ گویاں ۱۶۔ تحقیق اللسان در تحقیق زبان اردو ۱۷۔ تاریخ بلگرام ۱۸۔ ترجمہ تفسیر نہج الصادقین

۱۹ تذکرہ مردم دیدہ۔ ۲۰ تذکرہ جلوہ خضر ۲ جلد۔ یہ کتاب اُردو کے امتحانات بی۔ اے۔ و ام۔ اے میں ہنوز کار آمد خیال کیجاتی مگر افسوس ہو کہ مطبوعہ کتابوں کے ماسوا اس فہرست کی اکثر کتابیں اب بالکل نایاب ہیں۔ غالباً کیڑوں کی نذر ہو گئے۔ تاہم بعض کتابوں کے قلمی نسخے مولوی سید عنایت احمد صاحب بلگرامی ڈپٹی مجسٹریٹ نبیرہ صفیر بلگرامی کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ جو اون کی عنایت سے اس غفیر کی نظر سے گذرے۔

مشہور ہو کہ ان کی زبان میں لکنت بے انتہا تھی جس کے باعث مشاعروں میں پڑھتے وقت بعض اوقات کسی لفظ کا پہلا حرف کہتے کہتے لیٹ جانے کی نوبت آجاتی تو وہ پورا لفظ ادا ہوتا تھا۔ اسی خیال سے عموماً پشت کی جانب گاؤ تکیے لگا دے جاتے تھے۔

بتاریخ بستم ماہ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۹۰ء پٹنہ میں انتقال کیا۔ اور آرہ میں مدفون ہوئے۔

اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو

نہ کوئی جان پہ اپنے رویا — رو دئے ہم سارے زمانے کیلئے

دلا نہ آنکھ میں ہوں خوں کے سوا آنسو — گناہ ہو جو پیئیں ساغر شراب میں آب

میں محتسب ہی کو کوسوں گنگ پانی پی پی کر | تمام عمر ہوں گا غم شراب میں آب
نہیں ہے ربط تنگ ظرف سے جہاں استقرار | ٹھہر سکے نہ کبھی ساغر حباب میں آب

بادۂ عشرت ہوش ربا تھا رات جو میں نے جام لیا | بارے یہ جرأت ساقی نے کی دوڑ کے مجھکو تھام لیا
قتل کیا تو خجالت کیسی چھپ سکتا تھا خون کہیں | جس نے سنا احوال ہمارا اوس نے تمہارا نام لیا
دیکھنے مجھکو آجاتے تو بات تو ہوتی کہنے کو | عمر تو آخر ہو ہی چکی تھی تم نے عبث الزام لیا

ترے لب پہ ہم جو فدا ہوئے تو اثر نمائے بقا ہوئے
جو جلے تو قُم کی صدا ہوئے جو گرے تو خاکِ شفا ہوئے
یہ ہمیں ہیں اے فلکو نہ تم کہ رہین رنج و بلا ہوئے
جو سُنا الست بربکم وہیں نغمہ سنج بلیٰ ہوئے
لو اب آئیں موت کی ہچکیاں کوئی دم میں بند ہوئی زباں
کوئی کہدے میری طرف سے واں ترے حق سے ہم تو ادا ہوئے
گری برق طور جو یک بیک تو لرز گیا دل کوہ تک
اوڑے سنگ ریزے جو ہر طرف تو بتوں میں جلوہ نما ہوئے
نہ وہ لن ترانیوں کا پتہ نہ وہ بے نیازیوں کا مزا
یہ صنم ہزار طرح بنے نہ کسی طرح سے خدا ہوئے
دم نزع منہ مرا یہ ملا سوئے قبلہ آپ ہی پھر گیا
مرے طائران نظر جو تھے وہی مرغ قبلہ نما ہوئے

زیر فلک ہٹا جو مہِ بے نقاب کو — لگ جائیں چار چاند مہ و آفتاب کو
ایک نالے میں ہزاروں کچھ ملا خاک کا ڈھیر — لے اڑا ساتھ مگر شعلۂ فریاد مجھے

شاہ فرزند علی صوفی

صوفی تخلص۔ اصل نام سید ابو محمد جلیل الدین حسین تھا (معروف بہ شاہ فرزند علی) منیر شریف کے مخدوم زادوں میں تھے۔ ۱۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ درسیات میں فارغ التحصیل اور صاحب علم و فضل تھے نظم کے علاوہ نثر میں بھی صاحب تصنیف ہیں۔ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین بہاری قدس سرہ کے احوال میں "وسیلۃ الشرف" جو فارسی زبان میں ہے آپ ہی کی تصنیف سے ہے۔ شاعری میں مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ علاوہ دیوان فارسی اور اردو کے تین مثنویاں "روش عشق" "کشش عشق" اور "انوار احمد" آپ سے یادگار ہیں۔ مندرجہ ذیل مثنوی کے چند اشعار ہیں ایک شعر پر مرزا غالب نے تین صاد بنائے تھے ؎

فخر عالم گہر تاج رسل — خواجۂ کون و مکان مرجع کل
نزہت باصرۂ عین حضور — اولیں موجۂ دریائے ظہور
نور حق جلوۂ رب شان اللہ — ہے تو بندہ مگر اللہ اللہ ص ص ص

جن دنوں مرزا غالب کے مشکل آفریں اشعار پر دہلی کے

بعض لوگ مُنہ آتے تھے اور یہ کہا گیا تھا کہ ؎

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

تو مرزا کے اکثر تلامذہ نے استاد کی جانب داری اور حمایت میں نظمیں لکھی تھیں۔ چنانچہ حضرت صوفی نے بھی دو رباعیاں لکھکر بھیجی تھیں جن میں اس رباعی پر مرزا نے دو صاد کیے تھے ؎ رباعی

سب ممغ زباں اُنہیں پہچانتے ہیں
غالب وہ ہیں سب اہل سخن جانتے ہیں
یہ شیر خدا کے نام کی ہو برکت
لوہا اسد اللہ کا سب مانتے ہیں

جناب صوفی کا کلیات اُردو و فارسی ہنوز غیر مطبوعہ ہے راقم کو مندرجہ ذیل انتخاب کلام جناب حکیم شاہ سید محمد الیاس صاحب یاس بہاری سے دستیاب ہوئے جن کو انہوں نے مختلف کتب مطبوعہ سے جو خود حضرت صوفی کی تصنیف کردہ ہیں۔ بتوسط جناب شاہ اکرام الدین احمد صاحب عرفاں اسلام پوری فراہم کیا تھا جناب صوفی نے ستر برس کی عمر میں سنہ ۱۳۱۸ھ میں انتقال کیا۔

نمونہ کلام اُردو یہ ہے ؎

لاکھوں دنیا میں ہیں زہد اور عبادت والے
کہیں دو چار ہی نکلیں گے محبت والے
یہ تو اچھی ہے بُرائی ہی تو بس اتنی ہے
نیک اپنے کو سمجھتے ہیں نصیحت والے
نہیں کچھ عمدہ وحدوث اور قدم کی تمیز
ایک ترے جلوے میں ہیں حیرت میں حقیقت والے

دیکھتے ہیں کہ گھر کوچہ میں ہم اپنے سر پہ — جو کہ دیکھیں گے قیامت میں قیامت اپنے

قد میں سیتی ترجیح کرتا زمین آستاں ہو کر — خجل ہے آسماں قسمت ہے اپنی آسماں ہو کر
داغ کرتا ہے غم اس ناتواں کی اشتہا کہ — خوشی آتی ہے جب دل میں نکلتی ہے فغاں ہو کر
تنگ کر رہ گئے زباد ہم جیتے جی کے چل نکلے — گئی ہے راہ کوئے یار کی باغ جناں ہو کر

چاک ہے میرے اشک گلگوں کا حرماں کہیں جسے — سایہ وہ ہے مرا شب ہجراں کہیں جسے
جلوے کو تیرے حشر کا کیوں انتظار ہے — جلوہ ترا ہے حشر کا ساماں کہیں جسے

تیغ کو دل کے جلتے ہیں صوفی — شمع گر اپنی قبر کی گل ہے

گر حسب خواہ گردش ایام چاہیے — تو دور جام سے سحر و شام چاہیے
مسجد گیا تھا صبح مناجات کے ساتھ — پر اس لیے کہ وصل دل آرام چاہیے

صوفی۔ حکیم احمد حسین متوطن گر انیار مقیم عظیم آباد۔ بانی مدرسہ صوفی۔ انہوں نے الف با کا ایک نیا قاعدہ ایجاد کرکے ابتدائی طریقہ تعلیم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا۔

ہوں صوفی مست کی وحدت ہوا جاتا ہے — کثرت سے مجھے نشہ توحید ہوا ہو

صولت مولوی سید محبوب شیر خلف مولوی سید واحد شیر متوطن موضع محسن پور ضلع عظیم آباد۔ تلمیذ رشید مولوی محمد احسن احسن بلگرامی۔ ۱۳۰۵ھ میں عالم شباب میں انتقال کیا۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے جس کو ان کے خلف الرشید علی شاہ سعید

علی شیر صاحب مکنت نے ۱۲۸۹ھ میں طبع کرایا تھا ۵

دل شناسد کہ بہر رنگ دل آرائے ہست
دیدہ داند کہ بہر پردہ تماشائے ہست

از درِ شہر نہ از راہ بیاباں رفتم
از رہ چاک جگر تا درِ جاناں رفتم

ضمیر ۔ ضمیر الدین احمد باشندہ عظیم آباد محلہ لودی کٹرہ ۵

رہا کرتا ہے دل بیتاب ہر دم یاد دلبر میں
بجائے اشک خوں رہتا ہے میرے دیدۂ تر میں

طاہر ۔ مرزا محمد طاہر مقیم عظیم آباد ۔ خلف مرزا ماہر لکھنوی ۵

سچی ہے مثل بجتی ہے دو ہاتھ سے تالی
ہم بھی ہیں کشیدہ تم اگر ہم سے خفا ہو

طبیب ۔ ڈاکٹر حبیب اللہ متوطن بریلی ۔ بعد غدر آرہ میں آکر سکونت پذیر ہوئے ۱۲۹۴ھ میں پٹنہ میں انتقال کیا ۵

اے بحر حسن منتظری ہے حباب کی
پتھرا رہی ہیں دیر سے آنکھیں حباب کی

بلبل جو تیرے چہرۂ رنگیں کو دیکھ لے
ہرگز نہ رکھے دل میں محبت گلاب کی

ظہیر ۔ آغا حسن باشندہ آرہ ۔ شاگرد محمد شاہ شہرت ۵

خس کل میں تو توڑ ڈالوں گا قفس کی تیلیاں
ہیکلیں کیا جل گئی ہیں یہ سو برس کی تیلیاں

دم نہ جب تک ٹوٹ جائے نکلے کیا یہ مرغ روح
ہیں قفس میں جسم کے تار نفس کی تیلیاں

عاجز ۔ لالہ کملا پرشاد متوطن عظیم آباد ۔ شاگرد منشی ہیرا لال شکیب ۵

برگشتگی بخت کا اپنے یہ ہے اثر
پھرنا مری طرف سے تمہاری نگاہ کا

عاصی محمد خیرات حسین متوطن عظیم آباد شاگرد تمیمؔ و حسنؔ ہیں ؎

عارض پہ یہ نمو نہیں خط سیاہ کا
دھاوا طلب پہ ہے یہ حبشن کی سپاہ کا

عاصی محمد خدا بخش متوطن عظیم آباد ؎

کیا کیا نظر آرہے ہیں گل رو
آباد رہے چمن ہمیشہ

عالی - علی نواب - متوطن عظیم آباد - شاگرد آفتاب الدولہ **قلق** لکھنوی سنہ ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ؎

میری طرح سے رہنے لگے وہ بھی بے قرار
شاید یہ اون پہ صبر پڑا میری آہ کا

عباس - ناظر عباس علی خلف ناظر عبد العلی ساکن علی گنج سیوان - شاگرد محمد شاہ **شہرت** - غدر میں مارے گئے ؎

آب حیواں کا ترے لب میں اثر ہو کہ نہیں
صاف ظلمات تری زلف دو سر کہ نہیں

ناظر میر وزیر علی **عبرتی**

متوطن قصبہ باڑھ ضلع عظیم آباد - شاگرد رشید راجہ پیارے لال **الفتی**۔ اس دیار کے اکثر شعرا ان کے شاگرد تھے - ابتدا میں نواب روشن الدولہ محمد مہدی قلی خاں بہادر شوکت جنگ کے یہاں ملازم تھے - اس کے بعد نواب ضیاء الدولہ سید محمد حسن خاں تہور جنگ کے یہاں اور پھر انتظام الملک راجہ بھوپ سنگھ بہادر کے یہاں منشی گری پر مامور رہے - تذکرہ "روز روشن" اور "اعجاز المحبت"

و "معراج الخیال" وغیرہ ان کی تصنیفات سے ہیں ۔

مہ پارہ خورشید عذاری چہ تواں گفت | یک ذرہ سر مہر نداری چہ تواں گفت
مارا کہ بجانیم خریدار وصالت | از مہر فروشاں نشماری چہ تواں گفت
کارش ہمہ بیتابی وز بہار نہ گفتی | اے عبرتی ما بچہ کاری چہ تواں گفت

عزیز۔ سید عبدالعزیز رئیس بہار محلہ بارہ دری صاحب دیوان تھے ۔

کشتہ ہوں کس کی شوخی برق نگاہ کا | مرنے پہ بھی ہوں صورت سیماب بے قرار

عطا۔ آغا مرزا۔ متوطن عظیم آباد ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ۔

بیشک قصور ہے یہ تمہاری نگاہ کا | دھوکا ہوا جو رخ پہ ترے مہر و ماہ کا

علم۔ دوست محمد۔ متوطن گیا۔ شاگرد شاہ محمد اکبر داناپوری ۔

اترا ہوا ساعتہ نظر آتا ہے ماہ کا | وہ مہر حسن کو ٹھے پہ اپنے چڑھا ہے آج

علیم۔ محمد علیم اللہ ین۔ متوطن عظیم آباد محلہ لودی کٹرہ شاگرد میرن صاحب **نکہت** ۔

تم وہ ہے علیم ملا ہم کو چاہ کا | پہلو میں درد آنکھ میں آنسو لبوں پہ آہ

عمر۔ محمد عمر۔ متوطن عظیم آباد۔ پورب دروازہ سرکل میں جمعدار تھے ۔

وہ یک کرشمہ ہے تری ترچھی نگاہ کا | تیر قضا جو خلق میں مشہور عام ہے

عیش۔ نواب لیاقت علی خاں خلف نواب اقبال علیخاں

رئیس داؤد نگر. ضلع گیا. تلمیذ کاہش جون پوری. غدر میں ان کی
کل جائداد ضبط سرکار ہو گئی تھی. مگر معقول وظیفہ ماہوار آخر عمر تک
ملتا رہا. ۱۳۱۶ھ میں انتقال کیا. ایک دیوان اردو غیر مطبوعہ. ایک
دیوان فارسی. ایک مثنوی غیر مطبوعہ اور ایک مثنوی "رموز عشق"
مطبوعہ ان کی تصنیف سے ہے

موج پر اشکوں کا میرے اسقدر سیلاب تھا ۔ آسماں کا دائرہ بھی حلقۂ گرداب تھا
ہماری گردش تقدیر اب کچھ رنگ لائیگی ۔ بگولہ بن کے اٹھتا ہے غبار اپنے بیاباں کا

غلام ۔ غلام نبی خان قوم افغان ۔ ساکن محلہ یاقوت گنج
پٹنہ شاگرد صفیر بلگرامی بعد غدر شریک مشاعرہ ہوتے تھے. چند
سال کے بعد ڈوب کر مر گئے

ندی ہے ہر قطرہ مری چشم پر آب کی ۔ پھٹتی ہے میرے دیدوں سے چشمہ حباب کی
ایسا دیا فریب اُسے صنم اک غلام کو ۔ آنسو ہی پیتے رہ گئے ہم گلاب کی

فائز ۔ سید ہادی علی خاں رئیس عظیم آباد سے

بچپن سے لیکے نام بہت اوس کی چاہ کا ۔ پہلے خیال دل کو نہ آیا نباہ کا

فدوی ۔ لالہ سیلوک رام وکیل عدالت دیوانی پٹنہ

جی کو نہ چین ہوئے نہ آرام پائے دل ۔ پھر کس امید پر کوئی تم سے لگائے دل

فرحت ۔ میر فرحت علی باشندہ عظیم آباد سے

مرمہ ہوں نیوں نہ دیدۂ اہل نگاہ کا — آخر غبار بھی تو میں ہوں کس کی راہ کا

فرحت۔ قاضی سید فرحت حسین رئیس عظیم آباد محلہ بخشی شاگرد حضرت **وحید** الہ آبادی ؂

ہردم جو تری چال کا انداز نیا ہو — ایک حشر کئی رنگ سے دنیا میں بپا ہو

فرد۔ وحید الدین خاں عرف خدا بخش خاں ولد محسن خاں قوم یوسف زئی۔ باشندہ دربھنگہ۔ شاگرد **مصحفی** صاحب دیوان اور صاحب تلامذہ تھے ؂

کبھی کعبہ کبھی بت خانہ ہے مسکن اپنا — دین و مذہب کہوں کیا شیخ و برہمن اپنا

بیتاب ہوں میں تشنگی نزع سے قاتل — یکبار دے تو آب دم شمشیر گلے میں

فروغ۔ عنایت علی خاں ولد قادر علی خاں عظیم آبادی شاگرد احمد علی **کامل** آتو صاحبہ قدسیہ محل کے منہ بولے بیٹے تھے ؂

آنا ضرور فاتحہ خوانی کو قبر پہ — عزت ہماری بعد فنا ہے تمہارے ہاتھ

مجھ سے شب وصال بھی انکار ہے او سے — کہتا ہے میرے پاؤں سے تو رکھ کنارے ہاتھ

سید شاہ اُلفت حسین **فریاد**

فریاد تخلص۔ سید شاہ اُلفت حسین نام خلف سید شاہ مودود الحسن ابن شاہ حسب اللہ۔ متوطن موضع اما [illegible] پردہ متصل

پیر بیگہ ضلع گیا۔ ۵ رجب ۱۲۱۹ھ کو پیدا ہوئے۔ تیرھواں سال تھا کہ ان کے والد نے انتقال کیا جب سے یہ عظیم آباد میں اپنے نانا کے یہاں رہنے لگے۔ درسیات عربی و فارسی میں فارغ التحصیل تھے۔ ۱۸۳۲ء میں عظیم آباد میں پہلے پہل اسکول قائم ہوا تھا۔ یہ ایک عرصے تک اسکول میں فارسی زبان کے مدرس رہے۔ پھر مستعفی ہو کر ۱۸۳۵ء میں مرشد آباد چلے گئے اور وہاں ریذیڈنٹ صاحب کے توسل سے مرشد زادوں کی اتالیقی پر تین برس تک ملازم رہے اس کے بعد ۱۸۴۲ء میں نظامت کی طرف سے سفیر مقرر ہو کر کلکتہ بھیجے گئے اور سولہ برس تک اس عہدے پر ممتاز رہے۔ پھر بوجوہ چند اس سے بھی استعفا دیا۔ اور ایک اخبار "آئینہ گیتی نما" نظم و نثر میں نکالنا شروع کیا۔ جو بنگال میں مشرقی زبان کا شاید پہلا اخبار تھا۔ اس کے بند ہونے کے بعد ان کے احباب اور شاگردوں نے ۱۸۶۵ء میں "سلطان الاخبار" نکالا۔ پھر تیسرا اخبار "دوربین" نکلا ان سب اخباروں میں ان کی نظمیں اور نثر کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ غرض اس طرح مسلسل ۳۵ سال تک کلکتہ میں مقیم رہے اس طویل مدت کے درمیان کچھ دنوں کے لئے صرف دو بار عظیم آباد آئے تھے۔ پہلی بار ۱۸۵۵ء میں صرف چار ماہ کے لئے۔ اور دوسری دفعہ

۱۸۶۲ء میں دو برس کے لیے۔ اس کے بعد تیسری بار ۱۸۷۴ء میں عظیم آباد میں مستقل طور پر واپس آگئے۔ مگر بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ رہا تھا۔ گو درس و تدریس کا شغل آخر عمر تک جاری رہا۔ تاہم ستر برس کی عمر ہو چکی تھی۔ نواب سید ولایت علی خاں بہادر سی۔ آئی۔ ای کی بدولت چھ سات برس تک زندگی کے باقی ایام عزت و آرام سے بسر ہو گئے۔ تقریباً ۷۷ سال کی عمر میں ۱۸۸۱ء میں انتقال کیا۔

فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں انہوں نے داد سخنوری دی ہے۔ اُردو میں کم اور فارسی میں زیادہ۔

"حیات فریاد" میں مذکور ہے کہ "اُردو میں ان کو اپنے ماموں سید شاہ جمال حسین **جمالؔ** سے۔ اور فارسی میں اپنے دوسرے ماموں سید شاہ وارث علی **اشکیؔ** سے تلمذ تھا۔ اور ان دونوں بزرگوں نے دلّی جا کر خواجہ **میر دردؔ** سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔" لیکن مشہور تذکروں سے اُس کا کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا۔ اس کے ماسوا شاہ جمال حسین نے ۱۲۲۹ھ میں انتقال کیا اور اوس وقت حضرت **فریادؔ** کا سن دس برس سے زیادہ کا نہ تھا۔

تذکرہ "سخن شعرا" (مؤلفہ مولوی عبدالغفور خاں **نساخؔ**) میں جو ۱۲۹۱ھ میں خود حضرت **فریادؔ** کی حیات میں چھپا تھا۔ ان کو راجہ پیارے لال **الفتیؔ**

عظیم آبادی کا شاگرد بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ "بیشتر فارسی کہتے ہیں۔ اپنی شاعری کا بہت غرور رکھتے ہیں"۔ اس سے بھی پایا جاتا ہے کہ اردو میں حقیقتاً بہت کم کہتے تھے۔

بہرحال۔ فارسی میں مثنوی "گنجینۂ عشق"۔ مثنوی "دبستان اخلاق"۔ مثنوی "رونقۃ المعانی" اور چھ سات ناتمام مثنویاں ایک فارسی غزلوں کا دیوان۔ اور دس بارہ فارسی قصیدے تھے جن میں دو تین قصیدے اور ایک مثنوی "دبستان اخلاق" چھپ گئی تھی۔ باقی کا پتہ نہیں۔

اردو میں بھی ایک قصیدہ۔ ایک مثنوی "طلسم جہاں" اور غزلیں تھیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

نہ وہ تیغ غضب سے بن آئی کبھی نہ وہ خنجر برق بلا سے کیا
جو بہ دیر قضا سے کیا وہی آن میں تیری ادا نے کیا

نہ بشاشتیں تھیں نہ وہ ہنسی نہ مخاطبت تھی بعید خوشی
رہے سر کو جھکائے وہ دیر تلک یہ غضب مرے آہ رسا نے کیا

شب غم میں جو آئی زباں پہ مری مرے دم کو بھی ساتھ ہی لیتی گئی
مرے ساتھ کیا وہی آہ نے بھی جو چراغ کے ساتھ ہوا نے کیا

ہر ایک کے با نشاں لیکن تجھی کو بے نشاں پایا مگر اس بے نشانی پر جہاں ڈھونڈھا وہاں پایا

گئے جس جس جگہ بسنے کو خواہاں اماں ہو کر — زمیں قدموں کے نیچے سر کے اوپر آسماں پایا
مدد کرتی ہے تو اس وقت جب چارہ نہیں رہتا — زمانہ میں تجھی کو اے اجل اک مہرباں پایا
خدا جانے قوی اک کس طرح کے اس نے بنائے تھے — عروس دہر کو فرہاد جب دیکھا جواں پایا

مٹتی رہی ہے ترے قدم کے نشاں پر — کیونکر زمیں کو فخر نہ ہو آسماں پر
جھوٹی شراب ساقی پیماں شکن جو دے — آب بقا کو پھر نہ دھروں میں زباں پر

کچھ تو پوچھو ان نے دل کو شکیبائی نہیں — رات بھر کس کس طرح چاہا پہ نیند آئی نہیں
دیکھ کر مکتوب میرا یوں دیا اس نے جواب — کہہ دے قاصد میرا اور ان کے شناسائی نہیں

جس کو دیکھا وہ خط باطل نظر آیا مجھے — حرف دیوانہ ترا عاقل نظر آیا مجھے
سارباں سے کہتی تھی لیلیٰ کہ تو بھی مڑ کے دیکھ — کوئی دیوانہ پس محمل نظر آیا مجھے
اللہ اللہ مرجع عالم ہے تیری بارگاہ — شاہ بھی در پر ترے سائل نظر آیا مجھے
کھل گئی وہ زلف تحریک صبا سے جس گھڑی — اس کے ہر اک پیچ میں اک دل نظر آیا مجھے
عمر گذری ہے پیرے فرہاد بحر عشق میں — پر نہ اس کا آج تک ساحل نظر آیا مجھے

فرید۔ مولوی حاجی محمد فرید۔ متوطن پھلواری۔ ہجرت کرکے مدینہ منورہ گئے۔ وہیں [illegible] میں انتقال کیا ؎

دکھا دو ہمیں آہ و چشم تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہاں وہ چمکے یہاں یہ برسے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہ بام پر اپنے خندہ زن ہے زمیں آنسو سے میرے تر ہے

عجب ہے ایک سیر دوپہر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

فرید بعد از تصیرؔ تو نے کیا ہے سرسبز اس زمیں کو
قدم رکھے کون اس میں ڈر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

فضل۔ محمد فضل الرحمٰن۔ متوطن عظیم آباد ہے۔

بے فائدہ ہے حکم مجھے قتل گاہ کا کافی فقط اشارہ ہے ترچھی نگاہ کا

فہمی۔ شیخ دیانت حسین خلف شیخ ہدایت علی۔ باشندہ بہار۔ ماڈل اسکول ضلع مونگیر میں مدرس فارسی تھے۔ فارسی و اردو دونوں میں فکر سخن کیا ہے **نساخؔ** کے شاگرد تھے۔

نہ وہ میں ہوں نہ وہ زمانہ رہا دل لگانے کا اب مزا نہ رہا
کی یہ اشک و حیا نے پردہ دری راز میرا ترا چھپا نہ رہا

فیاض۔ فیاض حسین متوطن بریلی مقیم آرہ۔ برادر خورد ڈاکٹر حبیب اللہ۔ خواجہ فخر الدین حسین **سخنؔ** دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔

راہ پر اپنے نہ اب تک وہ ستمگر آیا عبث ایسے پہ الٰہی دل مضطر آیا

قادر۔ مرزا قادر بخش۔ متوطن دہلی مقیم عظیم آباد۔ شاگرد مولوی عبد الکریم خاں **آشنا** پھبکیتی میں مشہور تھے۔

مانگ بادوں میں ہیں اوس عیاں بالا سر نہر حیوان کی ہے ظلمت میں رواں بالا سر

قاسم۔ لالہ حکمت بہاری لال باشندہ عظیم آباد کوچہ جولال

شاگرد صفیر بلگرامی سے

ہوتے ہیں وصل یار کے ساماں نئے نئے
پھر دل میں جمع ہوتے ہیں ارماں نئے نئے

آتا ہے آج سیر کو وہ غیرت بہار
بدلے گا اب تو رنگ گلستاں نئے نئے

قائل - سید علی خاں ولد میر فضل علی خاں عرف میر بڈھن عظیم آبادی۔ شاگرد رشک لکھنوی۔ بہ سبب قرابت شیخ فتح علی داروغہ نواب قدسیہ محل لکھنؤ گئے تھے۔ پھر کانپور میں مقیم رہے۔ راہ کربلا میں انتقال کیا۔ صاحب دیوان تھے سے

دیکھتے ہی اوسے وہ شوخ مٹا دیتا ہے
کو دکان مشق جو کرتے ہیں مرے نام کے حرف

نام گل مشق یہاں تک کئے ماشاء اللہ
خط گلزار ہوئے اوس بت گلفام کے حرف

قربان - میر قربان علی۔ باشندہ عظیم آباد سے

نکالوں دل سے کیونکر اوس کماں ابرو کے پیکاں کو
کہ آزردہ نہیں کرتا ہے کوئی اپنے مہماں کو

قریب - خواجہ عبدالکریم ابن شیخ احمد علی۔ ساکن شہر گھاٹی ضلع گیا۔ تالیف و تصنیف کا بھی شوق تھا۔ ۱۳۰۷ھ میں انتقال کیا سے

جو دیکھا ترے روئے گلگوں کو ہم نے
تو پھر مجکو باغ ارم یاد آیا

قمر - مرزا غلام حسین۔ باشندہ عظیم آباد۔ شاگرد قاضی محمد صادق خاں اختر سے

دل ہیں گئے ہزاروں کے اے غیرت چمن
پاؤں کا تیرے مہندی لگانا غضب ہوا

قمر - مولوی قمر الدین حیدر متوطن آرہ۔ شاگرد **صفیر** بلگرامی ؎

جس کو سب گردش چشمان بتاں کہتے ہیں — میں نے دیکھا تو مری گردش قسمت نکلی

تو نے تو مانگا تھا دل جان بھی دیدی ہیں نے — حوصلہ سے ترے بڑھکر مری ہمت نکلی

کامل - شاہ مرشد حسین خلف طالب حسین عظیم آبادی ساکن دربھنگہ

بقول مولف "جلوہ خضر" - مزاج میں کچھ وحشت تھی۔ سنہ ۱۳۰۱ھ تک حیات تھے - مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ تحصیل علم کے لئے لکھنؤ گئے تھے پھر اپنے وطن کو چلے آئے - خواجہ **وزیر** لکھنوی کے شاگرد تھے ؎

چٹکی انگشت حنائی سے بجا کر کہتے ہیں — یوں تا ہے لال لو دیکھو حنا کے رنگ کا

نفع اپنوں سے نہیں ہوتا ہے بے تائید غیر — دیکھ سکتی ہے کبھی بے آئینہ رخسار آنکھ

کاہش مولوی اولاد علی۔ متوطن جون پور - مقیم گیا عدالت دیوانی میں پیش کار تھے۔ **مصحفی** سے تلمذ تھا۔ اور اس دیار کے متعدد شعرا ان کے شاگرد تھے ؎

بیان حال دل زار ہو نہیں سکتا — یہ درد وہ ہے کہ اظہار ہو نہیں سکتا

رشک مقتل ہے ترا کوچہ بت قاتل مگر — گبر تڑپے ہیں جدا کافر جدا تم ساجدا

یوں حسرت دل کہتی تھی فرہاد سے رو رو — تیشہ کو لگا سر پہ تو پچھتائے گا آخر

کبیر - رفعت حسین ساکن مفتی گنج ضلع پٹنہ۔ شاگرد **صفیر** بلگرامی - میر جان علی **اصدق** کے بڑے بھانجے تھے ؎

عشق نے تیرے مجھے دیوانہ ایسا کر دیا ۔ راز دل میں جو مرے تھا سب ہویدا ہو گیا

آپ تو عیش میں دن رات رہا کرتے ہیں ۔ ہم یہاں رنج و مصیبت کو سہا کرتے ہیں

کرامت ۔ سید شاہ کرامت حسین ہمدانی، ساکن بہار شریف محلہ اصل گڑھی ۔ حضرت مخدوم سید ہمدانی عرف حضرت مخدوم منجھن رح کی اولاد میں تھے (۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۹۹ھ میں انتقال کیا ایک دیوان غیر مطبوعہ یادگار چھوڑا حضرت غالب سے تلمذ تھا)

میری ہچکیوں کے شامل نکل آئے گا کلیجہ ۔ جو یہی رہے گی حالت جو یہی رہے گا رونا

کلیم ۔ سید خورشید احمد ۔ منشی سید فرزند احمد **صفیر** بلگرامی کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے ؎

نزع میں بھی مجھے صورت نہ دکھائی ظالم ۔ دید کی دل میں لئے جاتے ہیں حسرت کیسی

کلیم ۔ حکیم سید محمد موسی متوطن موضع سید آباد ضلع گیا شاگرد حضرت **مست** بنارسی و حضرت **شاہ** عظیم آبادی ؎

اوس گل کے لئے برنگ بلبل ۔ عاشق رہے نعرہ زن ہمیشہ

کوثر ۔ عبد الواحد خاں ۔ متوطن داناپور ۔ شاگرد حضرت شاہ محمد **اکبر** داناپوری ؎

کس درجہ ضعف نے ہمیں مجبور کر دیا ۔ آنا لبوں تلک بھی ہے دشوار آہ کا

کیفی ۔ سید منیر الدین احمد عرف منا میاں ۔ خلف مولوی سید واہب حسین ساکن موضع روہائی ضلع گیا ۔ مولوی اولاد علی

کاہش جون پوری کے شاگرد تھے اور خود بھی صاحب دیوان و صاحب تلامذہ تھے ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا ؎

ایک مدت سے جو ہم محو جمال یار ہیں | چشم حیرت بن کے مثل روزن دیوار ہیں
کشتگان عشق کا عقدہ ذرا کھلتا نہیں | ہر دہان زخم ہنستے ہیں یہ کیا اسرار ہیں

کیفی۔ شاہ مبتلا حسین عرف شاہ میاں جان صاحب خلف حضرت شاہ نبی بخش صاحب متوطن عظیم آباد محلہ سملی شہدر تقریباً ۱۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ بیعت و خلافت شاہ غلام حسین صاحب سے حاصل تھی ہندوستان سے باہر ملک برما میں آپ کے سینکڑوں مرید اور معتقد تھے۔ ۱۲۸۰ھ میں انتقال کیا۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا جو بنام تاریخی اختر محمدی ۱۳۰۳ھ میں چھپ گیا تھا۔ نمونہ کلام ؎

مجھے اسقدر کیوں تری آرزو ہے | جو تو ہی سو میں ہوں جو میں ہوں سو تو ہے
جو آئینۂ دل میں دیکھا تو پایا | تری شکل و صورت مرے ہو بہو ہے
اٹھا کر نظر جس طرف دیکھتا ہوں | جھلک روئے انور کی ہر چار سو ہے
ازل سے شب و روز دل کو ہمارے | تری آرزو ہے تری جستجو ہے
اب اس جوشِ الفت سے بڑھنا نہ کیفیؔ | اسی میں ادب ہے اسی میں غلو ہے

گرامی۔ سید نور احمد خلف ارشد جناب صفیر بلگرامی ؎

پروانہ کسی بات کی کھٹکا نہ کسی کا | سنتا ہی نہیں یہ دلِ دیوانہ کسی کا

گرم - منشی بشیر الحق - متوطن بہار - عدالت منصفی میں سررشتہ دار تھے ٥

غضب ہے مر گئے عشق لب جاں بخش دلبر میں
لکھی تھی ہاتھ سے عیسیٰ کے موت اپنے مقدر میں

گیسو - لالہ نند کشور سنگھ - متوطن عظیم آباد ٥

گیسو تہ فکر کیجئے عقبیٰ کی دل میں آپ
دھو دیں گے رو کے اشک سے دفتر گناہ کا

لائق - میر علی احمد خلف میر حیات علی ساکن موبخی ضلع شاہ آباد - شاگرد **صفیر** بلگرامی ٥

اے بت تو اگر خفا ہوا ہو
مجھ بندۂ زار کا خدا ہے

ماہر - مرزا محمد یوسف حسین عرف محمد امیر خلف آغا علی لکھنوی - مہدی حسین خان **آباد** کے شاگرد تھے ۱۲۸۱ھ میں عظیم آباد آئے اور یہیں بود و باش اختیار کی - کچھ دنوں نواب مرشد آباد کے صاحبزادے کے استاد بھی رہے - ۱۳۱۷ھ میں حیات تھے ٥

پیچ میں لائیں گے مجکو یہ سراسر گیسو
اے پری دیکھ تو چہرے سے ہٹا کر گیسو

میں نے جو پکارا تو ظرافت اوسے سوجھی
آواز بدل کر یہ کہا گھر میں نہیں ہیں

بوجہ ضعف عالم پیری سے خم نہیں
میں جھک گیا ہوں بوجھ اُٹھا کر گناہ کا

توبہ بھی اب تو کرتے ہوئے شرم آتی ہے
کیا پوچھتے ہو حال ہمارے گناہ کا

ڈرتے ہیں سن کے آپ کی رحمت کا زور شور
بڑھ جائے حوصلہ نہ ہمارے گناہ کا

مائل - مولوی سید اصغر حسین رئیس عظیم آباد میر پھاٹک کے پوتے **تسلیم** کے شاگرد تھے ؎

مژہ پر روک رکھا ہی سرشک شور افزا کو
تماشا ہی کہ ہم نے بال سے باندھا ہے دریا کو

مبارک سید شاہ مبارک حسین رئیس عظیم آباد تلمیذ حضرت **وحید** الہ آبادی ؎

کہتے تھے لوگ ہوا کا بھی گذر جس میں نہیں
عاشقوں کی اوسی کوچے میں تو کثرت نکلی

کھل گئیں دل پہ جو باتیں تری عیاری کی
میں محبت جسے سمجھا تھا عداوت نکلی

متین سید محمد باقر ابن میر زین العابدین باشندہ چھپرہ بیشتر مرثیہ کہتے تھے - مرزا **دبیر** کے شاگرد تھے ان کا کلام دستیاب نہ ہوا

محزون - سید محمد حسین عرف محمد و صاحب - سب رجسٹرار و رئیس حاجی گنج - شاگرد **صفیر** بلگرامی ؎

کسی کے ماجرائے دل سے جب واقف نہیں کوئی
یہی حیرت ہی میرے حال پر کیوں لوگ ہنستے ہیں

محسن - سید علی محسن ابن سید محمد حسن **امیر** بلگرامی مقیم آرہ شاگرد **صفیر** بلگرامی ؎

جنت کو بھی ہی داغ ہمارے مزار سے
کس نے چڑھائے توڑ کے دو پھول ہار سے

محسن - محسن علی باشندہ مونگیر ولد ڈاکٹر احسان علی شاگرد مولوی عصمت اللہ شیخ اللہ ان کا ایک مختصر دیوان چھپا تھا ؎

ہوتی جو محبت نہ کسی پردہ نشیں سے
چرچا مرا ہرگز سر بازار نہ ہوتا

کام ہرکارہ کا کرتا ہے مرا ہر آنسو
دل کی دیتا ہے خبر آٹھ پہر فرقت میں

محنتی۔ منشی ہری ہرناتھ باشندہ عظیم آباد۔ شاگرد **عبرتی**ؔ

وعدۂ وصل تو ام تاب و توانم دادند
ز آتش ہجر مرا سوز و گداز ست دلے

مخلص۔ سید اولاد علی ابن سید ابو علی بلگرامی۔ عظیم آباد میں اکثر آتے تھے ؎

ہوں وہ نالاں کہ خموشی کے سوا یاد نہیں
ہوں وہ غم دوست کہ منت کش فریاد نہیں

مخلص۔ منشی محمد حسین خاں ولد امانت خاں بن قطب خاں باشندہ بھاگلپور۔ مولوی عبد الغفور خاں **نساخ** کے شاگرد تھے ؎

لکھتے لکھتے یار کو خط ایک دفتر ہو گیا
شرح جوش شوق پایاں کو نہ پہونچا نامہ بر

کٹتی ہے اون کی نغمہ و چنگ و رباب میں
درد و غم فراق میں ہوتی ہے یہاں بسر

جس کو دیکھو قیصر و فغفور پیراہن میں ہے
جو ہے اس دنیا میں وہ مغرور پیراہن میں ہے

مداح۔ حکیم نوازش حسین مقیم منظفرپور۔ شاگرد **صفیر** بلگرامی ؎

ضعیفی آئی لڑکپن گیا شباب چلا
جہاں میں آ کے نہ دل کچھ بھی کامیاب چلا

مسلسل۔ شیخ وزیر علی خلف شیخ فدا علی عرف رمضان علی ابن شیخ فاروق علی باشندہ مونگیر عدالت دیوانی میں وکیل تھے۔ اور مولوی عبد الغفور خاں **نساخ** کے شاگرد تھے ؎

لکھا ہی حضرت دل مرحوم کا جو حال
ہر لفظ میری بیت کا ماتم سرا ہوا

اللہ رے کوچہ گردی جاناں کا حوصلہ
جب پاؤں تھک گئے تو پھرا سر تمام رات

مشتاق - حکیم غلام علی ساکن عظیم آباد محلہ گور ہٹہ ؎

جوہر دکھا رہے ہو جو تیغ نگاہ کا
منظور چشم قتل ہے کس بیگناہ کا

مشہور - حکیم لچھمی پرشاد متوطن عظیم آباد ؎

اب دل میں بغض بیٹھ گیا ذکر اُٹھ گیا
اُلفت کا دوستی کا محبت کا چاہ کا

مظہر شاہ حفاظت حسین خلف مولوی بخشش حسین ساکن حاجی گنج پٹنہ تلمذ **صغیر** بلگرامی ؎

پھیلا ہوا جو ان کی نگاہوں کا جال ہے
اب طائر مرغ رنگ کو اُڑنا محال ہے

مفتون سید محمد رضا متوطن بلگرام۔ مقیم آرہ۔ فارسی میں **رضا** تخلص کرتے تھے۔ دیوان اردو قصہ گنجینہ محبت "اُن سے یادگار ہیں۔ فارسی میں مرزا **قتیل** کے اور اردو میں **مصحفی** کے شاگرد تھے ؎

گر کرے زیب گلو وہ نوجواں سبزہ رنگ
فیض رنگ سبز سے تسبیح مرجاں سبز ہو

ناصح نہ سنیں گے لب نوشیں کی قسم ہے
شیریں سخنی تیری ہمارے لئے سم ہے

مکرم اکرام الدولہ اکرم الملک مکرم الشعرا اکرم علی خاں بہادر تیغ جنگ دین امیر ابن امیر معظم علی خاں بہادر **کاقی** قوم پٹھان - بہار شریف کی پہاڑی پر اب تک ان کے مکانات کے کچھ کھنڈر باقی ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں آبائی جائدادیں ضبط ہو گئی تھیں۔ انقلابات زمانہ سے وطن کو خیر باد کہکر لکھنؤ اور دہلی وغیرہ کی سیاحت میں مصروف رہے۔ بالآخر مہاراجہ

نراندر سنگھ والی سرہند کے دربار میں کسیقدر آرام سے زندگی بسر ہوئی۔ مکرم نے یہ سب واقعات ایک قصیدے میں خود ہی نظم کئے ہیں۔ آخر عمر میں اپنے وطن مالوف کو واپس آگئے تھے۔

ان کے کلیات فارسی میں قصائد حمد و نعت اور مناقب ائمہؑ کے علاوہ چند قصائد ابوظفر بہادر شاہ اور ولی عہد بہادر مرزا فخرو کی مدح میں بھی ہیں۔ غزلیات کا مجموعہ چند ہزار ابیات کا ہے۔ اس کے علاوہ رباعیات ہفت بند۔ تخمیس وغیرہ اور فارسی کی دو مثنویاں ہیں۔ کہیں کہیں مقطع میں اپنا تخلص مکرم الشعرا بھی لکھا ہے۔ مثلاً ؎

باشد مکرم الشعرا خانہ زاد شاہ در آرزوئے خویش ازو مورد عطا

کلیات پر جو مہر لگی ہے اس میں ۱۲۶۷ھ لکھا ہوا ہے۔

فارسی کے کلیات سے اردو کا کلیات چھوٹا ہے اور اس کے بہت سے اوراق جابجا سے غائب ہیں۔ لیکن صرف یہی ایک نسخہ ہے جس کو مصنف نے اپنے لئے مرتب کیا تھا۔ اور اب خانقاہ بہار شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے اسکے ماسوا غالباً اور کہیں اس کی دوسری نقل نہ ہوگی۔ یہ مرزا غالب کے ہم عصر تھے۔ غالب کی اس مشہور غزل کے

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

پر انہوں نے مصرعے بھی لگائے ہیں۔ اس مقام پر اُردو کے دیوان سے

چند شعر بطور نمونہ کلام درج کئے جاتے ہیں ؎

دل تنگ مت ہو اُس کے دہن سے نکل گیا
تھا ایک شک مجھے وہ سخن سے نکل گیا

ہو اپدید سپیدہ دم صبوحی سے
غضب ہے بند رہے آفتاب شیشے میں

رُخ مسلماں ہے تو خال رخ جاناں ہندو
اس لئے بندے ہیں اس بت کے مسلماں ہندو

دل نے ہرگز نہ کیا قفس بہاری میں قبول
مجھ سے ہر چند مری طبع نے چاہی توبہ

کیوں نگاہ قہر سے اس مہر کے بے تاب ہے
بے قراری میں دل عاشق مگر سیماب ہے

دل تڑپتا اس طرح سینے میں ہے مرے کے لئے
جیسے خشکی میں تڑپتی ماہی بے آب ہے

گر نجات آخرت کا شاہد ہے کو سبب
مطمئن مت بیٹھ دنیا عالم اسباب ہے

ہے مکرم میکشوں کو میکدہ مثل حرم
طاق ابروئے مغاں ان کے لئے محراب ہے

مکینت اسمعیل علی خاں متوطن عظیم آباد شاگرد منشی امداد حسین حقیر فرخ آبادی ؎

ایک عمر میکدہ میں بسر ہو گئی مری
اب راستہ بھی یاد نہیں خانقاہ کا

سب ناز نرالے ہیں تمہیں کیا کہوں کیا ہو
آفت ہو چھلاوا ہو قیامت ہو بلا ہو

ممنون میر امانت علی باشندہ عظیم آباد شاگرد فرزند علی **موزوں** یہ تحصیل علم کے لئے دہلی گئے تھے ؎

اے وائے کہ تیرے لئے اس خاک نشیں کو
جوں باد لئے پھرتی ہے گھر گھر تپش دل

موج مولوی محمد شفیع ابن نور علی مختار متوطن عظیم آباد۔ شاگرد

شمشاد لکھنوی۔ غازی پور میں وکالت کرتے تھے ۱۳۲۰ھ میں حیات تھے ؎

مدد باد سے لہراتے ہیں جیسے دریا　　موج تعریف سے بڑھتی ہی طبیعت میری

مہر۔ شیخ محمد اسمعیل مختار خلف منشی محمد ابراہیم وکیل عدالت آرہ شاگرد **صفیر** بلگرامی۔ رسالہ فروغ مہر۔ جلال مہر۔ مجمع القوافی اور عروض مہر وغیرہ ان کی تصنیف سے ہیں ؎

چھوڑوں صنم کو اپنے میں کس اعتماد پر　　دشمن کمر کو باندھے ہوئے ہیں فساد پر

نازش۔ محمد بشارت الحق خلف مولوی سید نور الحسن **دانش** شاگرد جناب **اکبر** داناپوری ۱۲۹۵ھ میں انتقال کیا ؎

نہ آیا چین مرنے پر بھی میرے مضطرب دلکو　　ابھی تک زلزلہ ہوتا ہے ظاہر میری تربت سے

ناطق۔ شیخ احمد شاہ ولد شیخ محمد شاہ باشندہ سکندر پور نواح عظیم آباد۔ بہ سبب قرابت شیخ محمد شفیع وکیل صدر اکبر آباد میں ملازم تھے مرزا عنایت علی **ماہ** سے تلمذ تھا ؎

زلف کا مضموں کیا تحریر اپنے ہاتھ سے　　ہم نے ڈالی پاؤں میں زنجیر اپنے ہاتھ سے

چومتے ہیں پہروں ہاتھوں کو مصورائے صنم　　کھینچتے ہیں جب تری تصویر اپنے ہاتھ سے

حکیم محمد ہادی حسن خاں **نایاب**

خلف حاجی امیر حسن خاں مرحوم ابن دیوان مولا بخش صاحب سی۔ایس۔ آئی رئیس اعظم رسول پور۔ اس دور کے خوش گو شعرا میں سے تھے۔ ابتدا میں مولوی

عبدالواحد **سیماب** تلمیذ میر وزیر علی **صبا** سے مشورہ سخن فرماتے تھے۔ پھر منشی مظفر علی خاں **اسیر** تلمیذ **مصحفی** کو اپنی غزلیں دکھائیں سنہ ۱۲۹۹ھ میں **اسیر** نے انتقال کیا۔ اون کے بعد منشی امیر احمد صاحب **امیر** مینائی مرحوم سے رجوع کیا تھا۔ ہنوز اون کے حلقہ تلامذہ میں داخل نہ ہوئے تھے کہ سنہ ۱۳۰۰ھ میں خود حضرت **نایاب** کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا دیوان برائے اصلاح حضرت **امیر** کے پاس بھیجدیا گیا۔ اور بعد اصلاح اوس کو مولوی اعجاز حسن خاں خلف اکبر حضرت **نایاب** نے طبع کرا دیا۔ **مصحفی** و **میر** کے رنگ میں فرماتے تھے۔ دیوان مطبوعہ آپکے خلف اصغر جناب ریاض حسن خاں صاحب **خیال** کا عطیہ فقیر کی نظر سے گذرا یہ اُس کا مختصر انتخاب ہے

نگاہوں سے نہاں رکھتا ہی عالم ناتوانی کا
بجا ہی گر کریں اب ہم بھی دعویٰ لن ترانی کا

کب کہسار سے بلبل سے گلستاں چھوٹا
تیرا دروازہ نہ ہم سے مگر اے جاں چھوٹا

کیا بتاؤں تجھے احوال چمن او صیاد
پر بھی نکلے نہ تھے جو قت گلستاں چھوٹا

ہو جو راحت کی طلب رنج اٹھاو پہلے
پادشاہی ملی یوسف کو جو زنداں چھوٹا

بیتوار رہا ہی غافل کیا اپنا گھر زمیں پر
کل ہو گا تو زمیں میں ہی آج اگر زمیں پر

تیرا ہی نام ہر دم اے دوست رٹتے ہیں
حور و ملک فلک پر جن و بشر زمیں پر

تم تو پلنگ پر واں پھیلا کے پاؤں سوئے
تڑپا کیا یہ مضطر یاں رات بھر زمیں پر

دست طمع بڑھاؤں ایسا نہیں گدا میں
ای آسمان ہن بھی برسیں اگر زمیں پر

ہائے کچھ کر نہ سکے دنیا میں
بخشش روز جزا کے قابل

پائی انساں نے امانت کیسی جو نہ تھی ارض و سما کے قابل

زیر زمیں تو رنج و الم کا گماں نہیں سر پر وہاں زمیں ہے کچھ آسماں نہیں

ارباب جاہ کا پس مردن کہاں قلق روتا ہے کون قیصر و فغفور کے لئے

نثار۔ نثار علی ولد چودھری عنایت احمد متوطن چوسا ضلع شاہ آباد

شاگرد مولوی شاہ عبدالعلیم **آسی** غازی پوری ٥

ہر وقت اون آنکھوں سے یہی خوف ہے مجکو سویا ہوا فتنہ کہیں بیدار نہ ہو جائے

نجف۔ شیخ نجف علی متوطن عظیم آباد محلہ مغلپورہ۔ شاگرد نوروز علی خاں **یکتا** ٥

شاہ و گدا طریق محبت میں ایک ہیں یوسف سے جا کے پوچھے مزا کوئی چاہ کا

نذر۔ میر نجف علی نواب محمد فاضل خاں کی اولاد میں تھے۔ خاندانی معاش

تباہ کر کے عدالت پٹنہ میں وکالت کرتے تھے شاعری میں حضرت **فریاد** سے تلمذ تھا

نہایت خوش مزاج۔ بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے۔ موسیقی میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے ٥

گر قدر مری مجکو گلے اپنے لگا لے ڈھونڈے نہیں ملتے ہیں صنم چاہنے والے

تم جاتے ہو اب روٹھ کے مجھسے بہت اچھا یہ تو کہو دل میرا کیا کس کے حوالے

ہوش و خرد و تاب و تواں صبر و تحمل سب کھو کے تجھے چاہتے ہیں چاہنے والے

کیا سحر کیا **نذر** دل افگار پہ تم نے دیوانہ سمجھتے ہیں اوسے دیکھنے والے

سارے گھر میں ہیں ہمیں ایک کمانے والے اور سب بیٹھے ہیں مفت میں کھانے والے

نصر۔ شاہ علی حبیب خلف الرشید حضرت فرد الاولیا شاہ ابوالحسن **فرد**

سجادہ نشین پھلواری ۱۲۹۵ھ میں انتقال کیا۔ دیوان فارسی چھپ گیا ہے ؎

ای سرپناہ بے کساں فریاد رس فریاد رس
وے دستگیر عاجزاں فریاد رس فریاد رس

نکہت۔ سید حامد حسین عرف میرن صاحب متوطن عظیم آباد محلہ کشمیری کوٹھی۔ اس دیار کے بعض شعرا ان کے شاگرد تھے ؎

پامال ہو کے غیر کو تکلیف دی تو کیا
اب لاغری بنا نہ مجھے خار راہ کا

نور۔ مولوی محمد نور الحسین ساکن شہر گھاٹی ضلع گیا۔ شاگرد مولوی اولاد علی **کاہش** بہ عہدہ منصفی ملازم سرکار تھے۔ ۱۳۰۸ھ میں انتقال کیا ؎

جن دنوں میں مشتعل داغِ دل بیتاب تھا
اک چراغ روز سا خورشید عالم تاب تھا

نہال سید شاہ نہال حسن۔ متوطن مولانگر ضلع مونگیر ساکن عظیم آباد بخشی محلہ ۱۲۹۲ھ میں عالم شباب میں انتقال کیا۔ شاعری میں حکیم عبد الحمید صاحب **پریشاں** سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ حضرت **صفیر** بلگرامی سے بھی ربط و خلوص تھا۔ دیوان ان کا اونھیں کے مطبع میں چھپنے کو دیا گیا تھا۔ ہنوز شائع نہ ہوا تھا کہ خود ان کی کتاب حیات کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کے اکثر اشعار آج تک لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں ؎

خال میں خط میں ہے یا ابروئے خمدار میں ہے
دل گم گشتہ ہمارا انہیں دو چار میں ہے

بھر ہی دل میں رہاں اون کی محفل میں نہ لیجاؤ
خدا جانے میں کیا کہنے کو جاہوں منہ سے کیا نکلے

نہال خستہ جاں کو دیکھ قدرت یاد آتی ہے
جو اول میں شرابی تھے وہ آخر پارسا نکلے

مرا مر قد سے جی اُٹھا بھی دیکھو — چلے جاتے ہو کیا ٹھوکر لگا کر
تم نہ کرنا یاد مجکو خلد میں — شربت دیدار حق اُچھوتا ہو

مانا اے آہ عرش پر بھی گئی — یہ تو بتلا کہ تو اودھر بھی گئی
دیکھیں اب عذر کیا ہے آنے میں — خط بھی پہونچا مری خبر بھی گئی
کیا کہوں تجکو اے قضائے رقیب — نگہہ نازنین اودھر بھی گئی
آپ تلوار تو لیتے ہی رہے — نگہہ ناز کام کر بھی گئی
دیکھی شوخی ادا کی اون کی نہال — لے لیا دل کو پھر مکر بھی گئی

رباعی

کیوں گئے پیچ رخ پہ عیسیٰ خفقاں ہوتا ہے — آپ کیوں نیچے رہے کیا کیا گماں ہوتا ہے
کھل گئی فضل الٰہی سے حقیقت یہ نہال — وہی جھک جاتا ہے پلہ جو گراں ہوتا ہے

نیر۔ مولوی عبد الغفور۔ متوطن داناپور۔ مدرس مدرسہ عین الاسلام
شاگرد شاہ محمد اکبر داناپوری ؎

بسمل تڑپ رہے ہیں کہیں کٹ رہے ہیں سر — ہے شور اوس گلی میں خدا کی پناہ کا

وزیر۔ وزیر علی خاں باشندہ عظیم آباد۔ شاگرد نواب جعفر حسن خاں
فیض موسیقی میں اچھا دخل رکھتے تھے ؎

سو سو ادا و ناز ہیں ایک ایک گام پر — ہم خاک میں ملے تری طرز خرام پر
عاشق ہوئے ہیں ہم ترے لیے جاں نئے نئے — صدمے دکھانہ دشمن ایماں نئے نئے

وصی شاہ وصی احمد پھلواری کے پیرزادوں میں تھے ؎

میرا خون گرچہ پائمال ہوا آستانہ تو اون کا لال ہوا

ولا۔ حسن نواب متوطن عظیم آباد ؎

انگشت بدنداں ہیں کھڑے لاش پہ میری پوچھے یہ کوئی اون سے کہ اب سوچتے کیا ہو

وصیؔ۔ شاہ دیدار حسن عرف شاہ آغا جان صاحب خلف شاہ نبی بخش صاحب۔ متوطن عظیم آباد محلہ سملی شہدرہ۔ تقریباً ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جناب شاہ غلام حسین صاحب سے بیعت و خلافت حاصل تھی اور اس سلسلہ مین اکثر ملک برما بھی جایا کرتے تھے۔ ۳۰ رجب ۱۳۲۲ھ کو بہ مقام رنگون انتقال کیا۔ بیشتر نعت فرماتے تھے۔ ایک دیوان **وصیؔ** مطبوعہ۔ موسوم بہ "چمنستان قدرت" ۱۳۰۰ھ اور ایک دیوان غیر مطبوعہ یادگار چھوڑا ہے ؎

خدا کی صنعت و قدرت کا گر یقیں ہو جائے تو راز کلمۂ توحید دل نشیں ہو جائے

دیدۂ دل میں عیاں صورت زیبا ہے وہی جس طرف دیکھتا ہوں محو تماشا ہے وہی

ہو کے سرشار مے عشق سے میخانوں میں جام و ساغر ہے وہی ساقی و مینا ہے وہی

وصیاؔ رحمت عالم کا لقب ہے جس کو میرا ہادی مرا حامی مرا مولیٰ ہے وہی

نور محمدی ہے نور خدا کی صورت صورت میں مصطفیٰ کی ہے کبریا کی صورت

ہاشم۔ سید محمد ہاشم ابن سید مبارک حسن بلگرامی مقیم آرہ

حضرت **صفیر** بلگرامی کے اقران اور شاگردوں میں تھے ؎

جو تیری زلف کے پھندے سے جاں بری ہو جائے نجات پاؤں مری عمر دوسری ہو جائے
یہ کیا جب آؤ تو ایک جنگ زرگری ہو جائے بس آج میرے تمہارے کھری کھری ہو جائے
شباب جاتا ہے لے چرخ دے جو دینا ہے قبائے عیش نہ میلی دھری دھری ہو جائے

رسائی جو تا کوئے قاتل ہوئی میں سمجھا کہ طے پہلی منزل ہوئی

ہما۔ سید احمد حسین باشندہ عظیم آباد ۱۲۸۰ھ میں کلکتہ بھی گئے تھے۔ خواجہ **وزیر** لکھنوی کے شاگرد تھے ؎

عاشق کو چھوڑتی ہے نہ معشوق کو زمیں سب خاک کے تلے ہیں دامن خاک کے تلے
دامن کو جن کے گرد کبھی چھو نہیں گئی کیسے پڑے ہیں سیکڑوں من خاک کے تلے

ہمایوں۔ محمد یحییٰ۔ متوطن موضع نگرنہسہ۔ ضلع عظیم آباد ؎

غیروں کے ساتھ پیار سے ہوتے ہیں ہم کلام پوچھا کبھی نہ حال پر اس خیرخواہ کا

ہوشیار۔ شیخ سید علی متوطن عظیم آباد ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ؎

ہاتھوں میں ہے تمہارے نہ یہ سرخی حنا تم نے ملا ہے خون کسی بیگناہ کا

یار۔ مولوی محمد یار علی۔ ابن سید تصدق علی متوطن فتح پور ضلع چھپرہ۔ شاگرد مولوی اولاد علی **کاہش**۔ مشن اسکول اعظم گڑھ میں مدرس تھے ؎

نفس میں گرمی الفت ہے جب تک سانس چلتی ہے کہ ہوتی ہے حرارت جنبش رفتار سے پیدا

یحییٰ سید شاہ محمد یحییٰ خلف سید شاہ وجہ اللہ **فرحت** سجادہ نشین محلہ شاہ کی املی۔ جامع فضل وکمال ارباب طریقت میں سے تھے۔ تاریخ گوئی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ملک کا یا شہر کا یا اپنے گھر کا کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جو ان کے علم میں آیا اور اس کی تاریخ نہ کہی ہو۔ مادہ تاریخ برجستہ فرماتے تھے۔ ۱۳۰۲ھ میں انتقال کیا۔ ایک ضخیم کلیات تاریخوں کا مرتب ہے۔ مولانا محمد سعید **حسرت** سے تلمذ تھا ؎

عشق دندان ولب سادہ رخانم دادند ۔ ہمچو شبنم مژہ اشک فشانم دادند

راز دار غم عشق تو نمودند دلم ۔ تا حدیث تو کند شرح زبانم دادند

سوز دل اشک رواں آہ سحر درد جگر ۔ انچہ مرغوب بتاں بود ہمانم دادند

ہست **یحییٰ** اثر تربیت **حسرت** وبس ۔ کہ بہ شعر وسخن این حسن بیانم دادند

یکتا۔ مرزا قورو تہ علی خاں ولد امان علی خاں **غالب** متوطن لکھنؤ۔ مقیم عظیم آباد محلہ دیوان ۱۸۶۷ء میں انتقال کیا۔ بقول مولف تذکرۂ سخن شعرا "ان میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ دوسرے شاعروں کے شعر کو اپنے نام سے پڑھتے تھے"۔ صاحب دیوان وصاحب تلامذہ تھے۔ یہ ان کا کلام ہے ؎

سیارے ہیں ثابت تری جوتی کے ستارے ۔ روشن ہی مہ وخور سے گردوں کی چڑی آنکھ

در گذرے دیر وکعبہ سے دل کے طریق پر ۔ سیدھا گیا جو پھیر محبت کی راہ کا

قطعۂ تاریخ طبع از نتیجۂ فکر جناب مولوی لطیف احمد صاحب عنایا موضع تھلی ڈاکخانہ بریا ضلع سارن

لطیف احمد جو زیر طبع فی الحال | بہاری شاعروں کا تذکرہ ہے
زبان حال سے تاریخ اپنی | یہ خود کہتا ہے اچھا تذکرہ ہے

۱۳۵۰ھ

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر جناب ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب (پی-ایچ-ڈی) عظیم تخلص سینیر پروفیسر پٹنہ کالج ساکن محلہ خواجہ کلاں پٹنہ سٹی

تذکرہ نیست مژدہ ایست شدند | زندہ در خاک خفتگان بہار
ہاتفم گفت بہر تاریخش | گو - گل باغ بے خزان بہار

۱۳۵۰ھ

قطعہ تاریخ از مولف حقیر سید عزیز الدین احمد بلخی المتخلص بہ راز عظیم آبادی

تذکرہ اندنوں جو طبع ہوا | جس میں ہے ذکر شاعران وطن
کارنامے یہ دو صدی کے ہیں | تین سو شاعروں کا ہے ارگن
جمع اگلوں کے ہیں کلام اس میں | ساغروں میں ہے شراب کہن
راز تاریخ طبع بھی اس کی | کہہ دیا ہے کلید شعر و سخن

۱۳۵۰ھ

انسان کی پرواز

اس کتاب میں "بیلون" "ہوائی جہاز" اور "ایروپلین" کی ایجاد کے متعلق مفصل تاریخی سرگذشت نہایت محققانہ اور دلچسپ پیرایہ میں مذکور ہے۔ اور ان مراکب ہوائی کے تیار کرنے اور ہوا میں چلانے کے اصول و طریقے مع تصاویر و نقشہ جات اور فن غبارہ بازی اور فن پرواز کے متعلق ضروری ہدایات نہایت شرح و بسط کیساتھ بیان کی گئی ہیں۔ کتاب کی خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ بہار و اڑیسہ کے محکمہ تعلیمات نے اس کتاب کی ڈھائی سو جلدیں خرید فرمائی ہیں۔ اور صوبہ مدراس و صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے مجلس انتخاب کتب و محکمہ تعلیمات نے بھی اسکو انعام اور کتب خانوں کے لئے موزوں قرار دیا ہے۔

ضخامت ...۲۰۰ صفحہ قیمت فی جلد ۲؎

ملنے کا پتہ
سید عزیز الدین احمد بلخی بخشی محلہ پٹنہ سیٹی